كلام الملوك ملوك الكلام

الابریز

ملفوظات

غوث زمان قبلہ عاشقاں السید الشریف عبد العزیز دباغ حسنی ادریسی رضی اللہ عنہ

مرتب

الإمام الشیخ أحمد بن مبارک السجلماسی المالکی

مترجم

جامع المنقول والمعقول صدوق الفروع والاصول

ابو احمد محمد محی الدین جہانگیر

نوریہ رضویہ پبلی کیشنز

كلام الملوك ملوك الكلام

بادشاہوں کا کلام ، کلاموں کا بادشاہ ہوتا ہے

الابریز

ملفوظات

غوث زمان سیدی ابی فارس حضرت عبدالعزیز بن مسعود دباغ حسنی رضی اللہ عنہ

مرتب

الامام الشیخ احمد بن مبارک السجلماسی المالکی

مترجم

جامع المنقول والمعقول حاوی الفروع والاصول

ابو العلا محمد محی الدین جہانگیر

نوریہ رضویہ پبلیکیشنز

11- گنج بخش روڈ لاہور

042-7313885

نام کتاب	———	**الابریز**
ملفوظات	———	سیدی عبدالعزیز دباغ رحمۃ اللہ علیہ
مرتب	———	شیخ احمد بن مبارک السلجماسی المالکی رحمۃ اللہ علیہ
مترجم	———	ابوالعلاء محمد محی الدین جہانگیر
اشاعت اوّل	———	جمادی الثانی ۱۴۲۷ھ/ جولائی 2006ء
اشاعت سوم	———	ربیع الثانی ۱۴۳۰ھ/ جون 2009ء
کمپوزنگ	———	**ورڈز میکر**
تعداد صفحات	———	648
تعداد	———	1100
باہتمام	———	سید محمد شجاعت رسول شاہ قادری
ناشر	———	نوریہ رضویہ پبلی کیشنز
مطبع	———	اشتیاق اے مشتاق پرنٹرز لاہور
کمپیوٹر کوڈ	———	1N-111
قیمت	———	380 روپے

ملنے کے پتے

شبیر برادرز زبیدہ سنٹر 40 اردو بازار لاہور 042-7246006

ضیاء القرآن پبلی کیشنز انفال سنٹر اردو بازار کراچی 021-2630411

مکتبہ غوثیہ ہول سیل پرانی سبزی منڈی کراچی 021-4910584

احمد بک کارپوریشن اقبال روڈ کمیٹی چوک راولپنڈی 051-5558320

اسلامک بک کارپوریشن اقبال روڈ کمیٹی چوک راولپنڈی 051-5536111

مکتبہ فیضانِ سنت اندرون بوہڑ گیٹ ملتان

مکتبہ رضویہ آرام باغ روڈ کراچی 021-2216464

مکتبہ بستان العلوم مدرسہ آزاد کشمیر

نوریہ رضویہ پبلی کیشنز 11- گنج بخش روڈ لاہور 7313885

مکتبہ نوریہ رضویہ بغدادی جامع مسجد گلبرگ اے فیصل آباد فون: 2626046

بھیجی جانے والی کتاب کو پرے کس طرح پھینک سکتے ہیں۔ خاص طور پر اس وقت جبکہ اس کتاب میں اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں اور دیگر برگزیدہ لوگوں کے اسماء بھی موجود ہوں کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم' اللہ تعالیٰ' اس کے رسولوں اور فرشتوں کی سب سے زیادہ تعظیم کیا کرتے تھے۔

(اب رہا یہ سوال کہ جب یہ نام تحریری صورت میں موجود نہیں تھے تو آپ نے ان کیلئے کتاب کا لفظ کیوں استعمال کیا؟ تو اس کا جواب یہ ہوگا) آپ نے ان اوراق میں نظر آنے والی صورت کو کتاب اس لیے کہا کہ خارجی وجود پر دلالت کرنے کے اعتبار سے وہ کتابت کے مشابہ تھی کیونکہ ''کتابت'' کا لغوی معنی ''اکٹھا کرنا'' ہے۔ لٰہذا کسی بھی مجموعے کو مکتوب کہا جا سکتا ہے کیونکہ فوجی دستوں میں بہت سے سپاہی اکٹھے ہوتے ہیں اس لیے ان دستوں کو ''کتائب'' کہا جاتا ہے اور اس کا واحد ''کتیبۃ'' ہے' اس کا معنی مجموعہ ہے۔

(اب یہاں یہ سوال پیدا ہوگا کہ اس کتاب کو رب العالمین کی طرف کیوں منسوب کیا گیا جبکہ کتابت سے مراد تحریری شکل نہیں ہے؟ اس کا جواب یہ ہے) جس روحانی بصیرت کے باعث وہ نام دکھائی دیئے تھے وہ نہ تو عام انسان کے بس میں ہے اور نہ ہی اسے اکتساب کے ذریعے حاصل کیا جا سکتا ہے۔ یہ صرف عطیہ خداوندی ہے جو اللہ تبارک وتعالیٰ کے خاص فضل کی بدولت یوں ظاہر ہوا کہ ایک مختصر شے میں بے شمار اشیاء نظر آ گئیں۔

(یہاں ایک اور سوال پیدا ہوگا' وہ یہ کہ ہم یہ تسلیم کرتے ہیں کہ ان تمام اشیاء کی صورتیں اس مختصر چیز میں ظاہر ہوگئی تھیں لیکن تمام صورتوں کو ایک نظم میں کس طرح دیکھا گیا؟ اس کا جواب یہ ہوگا) کہ یہ بات ناممکن نہیں ہے کیونکہ انسانی آنکھ کی پتلی مسور کے دانے کے برابر ہے مگر اس میں وسیع وعریض آسمان دکھائی دے جاتا ہے۔ مختصر یہ کہ یہ روایت کسی بھی اعتبار سے ناممکن سے متعلق نہیں ہے اور اسی طرح دیگر معجزات بھی ناممکن سے متعلق نہیں ہوا کرتے۔

''سات حروف'' کی تشریح

(احمد بن مبارک کہتے ہیں:) میں نے کئی مرتبہ آپ سے اس حدیث کے معنی دریافت کیے۔

ان هذا القرآن انزل علىٰ سبعة احرف

''بے شک اس قرآن کو سات حروف پر اتارا گیا ہے۔''

آپ نے اس کے بہت سے جوابات عنایت کیے لیکن اس کے باوجود میری تسلی نہیں ہو سکی اور میں کسی جامع اور تسلی بخش جواب کا منتظر رہا۔ اصل الجھن یہ تھی کہ ''حرف'' کا لغوی معانی ظاہر ہے لیکن بعض سورتوں کے آغاز میں آنے والے حروف مقطعات سمجھ نہیں آتے۔ مفسرین نے اس حدیث کی تشریح میں بہت سے اقوال بیان کیے ہیں جن کے مطالعہ کے بعد بے چینی میں اضافہ ہو جاتا ہے کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کا ایک ہی مقصد ہوگا لیکن شارحین نے اس کے چالیس مختلف معانی بیان کیے ہیں جو اس بات کی واضح دلیل ہے کہ یہ ایک پیچیدہ مسئلہ ہے جس کے اصل معنی سے عدم واقفیت کی وجہ سے اتنے بہت سے اقوال ذکر کیے

گئے ہیں اور بالواسطہ طور پر یہ امکان سامنے آتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اصل مراد ان تمام اقوال سے بھی مختلف ہو۔

اس حدیث کو بہت سے صحابہ نے روایت کیا ہے جن میں حضرت عمر بن خطاب' ہشام بن حکیم' ابی بن کعب' عبدالرحمٰن بن عوف' عثمان بن عفان' عمر بن ابی سلمہ' ابوجہیم' سمرہ بن جندب' عمرو بن العاص' ام ایوب انصاریہ رضی اللہ عنہم شامل ہیں' اور اس کے علاوہ دیگر بہت سے صحابہ نے بھی یہ روایت نقل کی ہے۔ یہاں تک کہ مشہور محدث حافظ ابویعلیٰ موصلی اپنی کتاب ''مسند کبیر'' میں درج ذیل روایت نقل کرتے ہیں۔

ایک مرتبہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے منبر پر کھڑے ہو کر خطبے کے دوران حاضرین سے یہ بات دریافت کی کہ میں تمہیں اللہ کا واسطہ دے کر یہ بات کہہ رہا ہوں کہ تم میں سے جس شخص نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان سن رکھا ہے وہ کھڑا ہو جائے (وہ فرمان یہ ہے)

ان هذا القرآن انزل علی سبعة حرف وکل لشأن

''بے شک اس قرآن کو سات حروف پر نازل کیا گیا اور ان میں سے ہر حرف کی اپنی مخصوص شان ہے۔''

(حضرت عثمان غنی کی یہ بات سن کر) بہت سے حضرات کھڑے ہو گئے جن میں سے ہر ایک اس بات کا اقرار کر رہا تھا کہ اس نے بذات خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی یہ فرمان مبارک سنا ہے۔ (یہ دیکھ کر) حضرت عثمان غنی نے فرمایا: میں نے خود بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی یہ فرمان سن رکھا ہے۔

مشہور محقق حافظ ابوعبیدہ اور علم حدیث کے بعض دیگر ماہرین بھی اس بات کے قائل ہیں کہ یہ روایت حدیث متواتر کی حیثیت رکھتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر زمانے میں علماء نے اس کے معانی کی وضاحت میں مختلف تشریحات بیان کی ہیں بلکہ بعض اہل علم نے صرف اس حدیث کے معانی کی وضاحت میں کتابیں تحریر کی ہیں جن میں سے ایک حضرت شیخ ابوشامہ ہیں۔

اہلِ علم کی تحقیقات

(احمد بن مبارک کہتے ہیں:) اس مسئلے سے متعلق جن حضرات کی تحقیق مجھے ذاتی طور پر بڑی پسند آئی ہے وہ یہ چار حضرات ہیں:

ا- لسان المتکلمین قاضی ابوبکر باقلانی' آپ نے اپنی کتاب ''الانتصار'' میں اس موضوع پر انتہائی نفیس بحث کی ہے۔

ب- امام ابن جزری' آپ نے اپنی تصنیف ''النشر'' کی دس فصول میں اس روایت کے مختلف پہلوؤں پر تفصیلی بحث کی ہے اور اس روایت کو نقل کرنے والے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اسماء کا تفصیلی ذکر کیا ہے۔

ج- امام ابن حجر عسقلانی آپ نے اپنی تصنیف ''فتح الباری شرح صحیح البخاری'' میں ''فضائل قرآن'' کے باب میں اس موضوع پر عمدہ اظہار خیال کیا ہے۔

د- امام جلال الدین سیوطیؒ نے اپنی تصنیف ''الاتقان فی علوم القرآن'' میں اس روایت کے معانی کی وضاحت میں ۴۰ مختلف اقوال نقل کیے ہیں۔

اگرچہ میں ان چاروں حضرات کی تحقیقات کا مطالعہ کر چکا تھا اور اس مسئلے کے مختلف پہلو میرے پیش نظر تھے لیکن اس کے باوجود یہ بات واضح نہیں ہو سکی کہ اس فرمان کے ذریعے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد کیا ہے؟ اس لیے میں نے حضرت شیخ سیدی عبدالعزیز دباغ کی خدمت میں عرض کی۔ میں آپ سے صرف نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد کے بارے جاننا چاہتا ہوں۔ آپ نے فرمایا: انشاء اللہ۔ میں کل تمہیں اس بارے میں جواب دوں گا اور اگلے دن آپ نے جواب مرحمت فرمایا۔ جو بالکل سچ تھا۔ آپ نے فرمایا: میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس حدیث کے مرادی معنی دریافت کیے تو آپ علیہ السلام نے اپنی مراد کی تشریح فرمائی۔ (احمد بن مبارک کہتے ہیں: حضرت شیخ نے یہ معانی میرے سامنے بیان کیے) تو میں تین دن شیخ کے ساتھ بحث میں مصروف رہا اور آپ اس کے معانی کی وضاحت کرتے رہے۔ اس کے بعد مجھے اندازہ ہوا کہ یہ حدیث (معنوی وسعت کے اعتبار) سے نہایت عظیم مرتبے کی حامل ہے۔ اس کی تشریح کے دوران میں نے اس قدر اسرار کا علم حاصل کیا جن کی وضاحت کرنا ممکن نہیں ہے۔ تاہم میں اپنے الفاظ میں ان کا خلاصہ بقدر استطاعت تحریر کر رہا ہوں (جو درج ذیل ہے)

سات انوار کی وضاحت

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس میں اللہ تعالیٰ نے ایک خاص قوت پیدا فرمائی ہے جس کے انوار سات قسم پر مشتمل ہیں۔ ان میں سے ہر ایک نور کے دو رخ ہیں۔ ایک رخ آپ اور اللہ تعالیٰ کی ذات کے بارے میں ہے اور دوسرے پہلو کا تعلق مخلوق کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تعلق سے ہے۔ یہ انوار پہلے رخ (یعنی ذات باری کے ساتھ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تعلق) کے حوالے سے مسلسل بہاؤ کی شکل میں رہتے ہیں اور ان میں کبھی کوئی رکاوٹ نہیں آتی۔ جب اللہ تعالیٰ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن کی کوئی آیت نازل کرتا ہے تو اس آیت کے ہمراہ اس پہلے رخ کا کچھ نور موجود ہوتا ہے۔ پہلے رخ سے تعلق رکھنے والا یہ نور مکمل طور پر نازل نہیں ہوتا کیونکہ اس کا تعلق ذات باری تعالیٰ کے ساتھ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تعلق سے ہے اور اس میں کوئی رکاوٹ نہیں آتی اس لیے دیگر مخلوق کے سامنے اس نور کا کچھ حصہ ظاہر ہوتا ہے۔ اسی طرح ہر آیت کے ساتھ ان ساتوں انوار میں سے کسی ایک نور کا کچھ حصہ موجود ہوتا ہے۔

(احمد بن مبارک کہتے ہیں:) میں نے عرض کی: یہ انوار کون سے ہیں جنہیں سات حروف کا نام دیا گیا ہے؟ آپ نے فرمایا: وہ یہ ہیں:

حرف نبوت' حرف رسالت' حرف آدمیت' حرف روح' حرف علم' حرف قبض اور حرف بسط

(i) حرفِ نبوت:

اس کی علامت یہ ہے کہ آیت مبارکہ میں صبر کا حکم دیا گیا ہو۔ حق کی طرف رہنمائی کی گئی ہو۔ وہ آیت دنیا اور اس کی خواہشات سے گریز کی تعلیم دیتی ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ نبوت طبعی طور پر حق کی طرف مائل ہوتی ہے اور حق بیان کرتی ہے۔ حق کی طرف رہنمائی کرتی ہے اور اس بارے میں خیر خواہی کا فریضہ سرانجام دیتی ہے۔

(ii) حرفِ رسالت:

اس کی نشانی یہ ہے کہ آیت میں دار آخرت' اس کے درجات' وہاں رہنے والوں کے مقامات اور انہیں حاصل ہونے والے ثواب کا ذکر موجود ہو۔

(iii) حرفِ آدمیت:

اس سے مراد وہ نور ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اولاد آدم کے اندر پیدا کیا ہے اور اسی کی بدولت بنی نوع انسان کو اپنے مخصوص انداز میں گفتگو کرنے کی صلاحیت عطا فرمائی ہے جس کی بدولت انسان کا کلام فرشتوں' جنات اور گفتگو کی صلاحیت رکھنے والی دیگر تمام مخلوقات سے ممتاز ہو جاتا ہے۔ یہ صفت اگرچہ تمام بنی نوع انسان میں مشترک ہے لیکن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میں کیونکہ درجہ کمال میں پائی جاتی ہے اس لیے یہ آپ کے سات انوار میں سے ایک ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم صفائی اور طہارت کے اعتبار سے سب سے بلند و بالا ہیں اس لیے آپ اس صفت کے اعتبار سے جس مرتبے پر فائز ہیں وہاں تک کسی بھی دوسرے فرد کی رسائی ممکن نہیں ہے۔ مزید برآں کلام کی صلاحیت پیدا کرنے والا نور جب دیگر انوار یعنی نورِ نبوت' نورِ رسالت' نورِ روح' نورِ علم' نورِ قبض اور نورِ بسط کے ساتھ مل جاتا ہے تو کمال کے انتہائی مرتبہ پر فائز ہو جاتا ہے۔ اب کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس ان چھ دیگر انوار سے بھی مدد حاصل کرتی ہے اس لیے آپ پر نازل ہونے والی تمام آیات میں یہ نور بھی پایا جائے گا کیونکہ قرآن بنی نوع انسان ہی سے تعلق رکھنے والے ایک گروہ کی زبان یعنی عربی میں نازل ہوا ہے۔

(iv) حرفِ روح:

اس کی علامت یہ ہے کہ قرآن کی آیت اللہ تعالیٰ کی ذات یا اس کی صفات کے بیان پر مشتمل ہو اور اس میں مخلوق کا کوئی ذکر نہ ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ روح ہمیشہ مشاہدۂ حق میں مستغرق رہتی ہے۔ اس لیے جب اس نوعیت کی کوئی آیت نازل ہوتی ہے تو اس میں نورِ روح موجود ہوتا ہے۔

(v) حرفِ علم:

اس کی علامت یہ ہے کہ کسی آیت میں سابقہ اقوام کے حالات ذکر کیے گئے ہوں جیسے عاد و ثمود یا حضرت نوح، ہود، صالح یا دیگر انبیاء علیہم السلام کی اقوام کے بارے میں کوئی بات بیان کی گئی ہو یا کسی آیت میں کسی بات کی مذمت بیان کی گئی ہو جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الضَّلَالَةَ بِالْهُدَىٰ فَمَا رَبِحَت تِّجَارَتُهُمْ وَمَا كَانُوا مُهْتَدِينَ

(البقرہ ۲:۱۶)

''یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی خریدی لیکن ان کی تجارت فائدہ مند نہ ہوئی اور وہ (فائدہ منداور نفع بخش سودے کی) راہ جانتے ہی نہ تھے۔''

مختصر طور پر ہم یہ بات کہہ سکتے ہیں کہ وہ تمام آیات جن میں واقعات بیان کئے گئے ہیں، وعظ و نصیحت کی گئی ہے یا حکمت آمیز باتیں بیان کی گئی ہیں وہ اسی قسم سے متعلق ہونگی۔

سیّدی عبدالعزیز دباغ فرماتے ہیں۔ اس حرف کا نور انسان سے جہالت کو دور کر کے اسے عارف اور معرف بنا دیتا ہے۔ یہاں تک کہ اگر یہ فرض کیا جائے کہ کوئی شخص کسی پہاڑ کی چوٹی پر پیدا ہوا اور اس نے زندگی بھر کسی انسان کو دیکھا تک نہیں پھر جوانی کے عالم میں وہ شخص کسی شہر میں آئے اور اس وقت اس کی باطنی کیفیت یہ ہو کہ اللہ تعالیٰ نے حرف علم کے ذریعے اس کی دستگیری فرمائی ہو تو شہر میں رہ کر ساری زندگی علم حاصل کرنے والا کوئی بھی شخص کسی بھی موضوع پر اس شخص کے ساتھ گفتگو نہیں کر سکے گا۔

(vi) حرف قبض:

اس کی علامت یہ ہے کہ آیت کریمہ میں کفار و مشرکین کو مخاطب کیا گیا ہو۔ کبھی انہیں تباہی کی نوید سنائی گئی ہو اور کبھی دوسرے طریقوں سے ڈرایا جا رہا ہو جیسے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللَّهُ مَرَضًا وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ بِمَا كَانُوا يَكْذِبُونَ

(البقرہ ۲:۱۰)

''اور ان کے دلوں میں بیماری ہے، پس اللہ نے ان کی بیماری کو اور بڑھا دیا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے، اس وجہ سے کہ وہ جھوٹ بولتے تھے۔''

نور اور ظلمت کی افواج ہمیشہ برسرِ پیکار رہتی ہیں۔ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی توجہ ان ظلمتوں کی طرف مبذول ہوتی ہے اس وقت حرف قبض کا یہ نور ظاہر ہوتا ہے اور اس نور میں سے مذکورہ بالا قسم کی آیات سامنے آتی ہیں۔

(vii) حرف بسط:

اس کی علامت یہ ہے کہ کسی آیت میں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا ذکر کیا گیا ہو۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی

توجہ اللہ کی نعمتوں کی طرف مبذول ہوتی ہے اس وقت بسط کی کیفیت طاری ہوتی ہے اور یہ آیات مقام بسط سے ظاہر ہوتی ہیں۔

سیدی عبدالعزیز دباغ نے ارشاد فرمایا: ان ساتوں حروف کی یہی پہچان ہے لیکن اگر تفصیلی اعتبار سے جائزہ لیا جائے تو ان ساتوں حروف میں سے ہر ایک حرف کی 366 مختلف وجوہ ہیں۔ اگر میں ہر حرف کی 366 مختلف وجوہ میں سے ہر ایک کا تذکرہ شروع کروں تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے باطن کا سورج سب لوگوں کے سامنے روز روشن کی طرح عیاں ہو جائے گا لیکن یہ وہ اسرار ہیں جنہیں چھپانا واجب ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل کے تحت جن لوگوں کو فتح کبیر عطا فرماتا ہے وہ ان کا علم حاصل کر لیتے ہیں اور جسے فتح حاصل نہیں ہوتی اس کے لئے مناسب یہی ہے کہ وہ اپنی ظاہری حالت پر ہی باقی رہے۔

(احمد بن مبارک کہتے ہیں:) میں نے حضرت کے سامنے یہ اشکال پیش کیا کہ اس بارے میں جس قدر روایات منقول ہیں ان سب میں حروف سبعہ سے مراد قرآن کے الفاظ کی ادائیگی کا اختلاف ہے جیسا کہ حضرت عمر کا یہ بیان نقل کیا گیا ہے کہ ایک مرتبہ میں نے ہشام بن حکیم کو قرأت کرتے ہوئے سنا اور ان کی قرأت کا طریقہ اس قرأت سے مختلف پایا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے تعلیم فرمائی تھی۔ بعد میں جب ہم دونوں نے اپنا مقدمہ بارگاہ رسالت میں پیش کیا تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کی قرأت کو درست قرار دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

ان هذا القرآن انزل على سبعة احرف فاقرء وا ما تيسر منه

(صحیح بخاری، ۴: ۱۹۰۹، رقم الحدیث: ۴۷۰۶)

''بے شک اس قرآن کو سات حروف پر نازل کیا گیا ہے لہٰذا جسے جو آسان محسوس ہو ویسے قرأت کرے۔''

(میں نے عرض کی: یہ روایت اس بات کی دلیل ہے کہ قرأت کا تعلق الفاظ کی ظاہری ادائیگی کے ساتھ لیکن) آپ کے بیان کے مطابق یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس میں موجود چند ربانی انوار اور باطنی اوصاف ہیں (اگر واقعی ایسا ہے تو پھر) حضرت عمر اور حضرت ہشام بن حکیم کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہونا چاہئے تھا جس کے جواب میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کی وضاحت کرنا پڑتی کہ قرآن سات حروف میں نازل ہوا۔

سیدی عبدالعزیز دباغ نے ارشاد فرمایا: اس طرح کی روایات میں جس اختلاف کا ذکر کیا ہے وہ باطنی اختلاف کی فرع ہے کیونکہ قبض کی بدولت کسی حروف کو ساکن پڑھا جاتا ہے اس پر پیش پڑھی جاتی ہے۔ اسی طرح زبر حرف رسالت کے نتیجے میں پیدا ہوتی ہے جبکہ زیر کا تعلق حرف آدمیت کے ساتھ ہے۔ ہر آیت کی ایک مخصوص فتح اور متعین ذوق ہے۔

(احمد بن مبارک کہتے ہیں:) جب میں نے یہ نورانی بیان سنا تو فوراً آپ کے سامنے سورہ فاتحہ اور سورۃ بقرہ کا کچھ حصہ تلاوت کیا۔ آپ نے ان آیات کی ایسی تفسیر بیان کی کہ میں مبہوت رہ گیا پھر میں نے ان آیات کو دوبارہ پڑھا اور قرأت کی ساتوں روایات یعنی نافع' ابن کثیر' ابوعمرو بن العلاء البصری' ابن عامر' عاصم' حمزہ اور کسائی (جو علم قرأت کے سات بڑے ماہر ہیں) کی قرأت میں سے ہر ایک کی مخصوص قرأت کے تحت آیات کو پڑھا تو آپ نے اختلاف رائے کے نتیجے میں معنی میں در آنے والی تبدیلی کی ایسی عظیم الشان تفسیر بیان کی جو نہایت حیرت انگیز تھی۔ اب میرے سامنے یہ بات اچھی طرح واضح ہوگئی کہ ان ساتوں قرأت میں باطنی اعتبار سے بھی اختلاف پایا جاتا ہے۔ اس روایت کے حقیقی مفہوم کو میں 30 برس سے تلاش کر رہا تھا وہ اب مجھے مل گیا۔ مجھ سے پہلے حافظ ابن جوزی بھی کم وبیش تیس برس کے عرصے تک اس کے حقیقی مفہوم کے حصول میں سرگرداں رہے اس کے بعد انہیں اس کے مفہوم کا پتہ چلا تو انہوں نے دوسروں کو بھی اس کی بابت بتایا۔ اس کی پوری تفصیل ''الانتصار'' کے مصنف (ابوبکر باقلانی نے) بیان کی ہے لیکن ان کا تمام تر بیان الفاظ کی ظاہری ادائیگی تک محدود ہے۔ انہوں نے ان باطنی انوار کا کوئی ذکر نہیں کیا جن کی وجہ سے الفاظ کی ادائیگی میں اختلاف سامنے آتا ہے۔

الغرض یہ کہ اس روایت کے مفہوم کی وضاحت میں دیگر علماء نے جو تحقیقات پیش کی ہیں ان کی حیثیت درخت کے سائے کی سی ہے اور ہمارے شیخ طریقت نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کر کے جو وضاحت بیان کی ہے اس میں درخت' اس کی جڑوں' شاخوں اور پھل سب کا ذکر موجود ہے۔

سات حروف کی ذیلی اقسام

سیّدی عبدالعزیز دباغ ارشاد فرماتے ہیں۔ اگر میں چاہوں تو اس بیان کی وضاحت میں سات کتابیں املاء کروا سکتا ہوں لیکن افشائے راز سے بچنے کیلئے ایسا نہیں کرونگا۔ اسی طرح جب آپ نے میرے سامنے آیات کی تشریح کرتے ہوئے یہ بات ارشاد فرمائی کہ اس آیت میں ساتوں حروف میں سے ایک حرف کا کوئی نہ کوئی جز پایا جاتا ہے تو میں نے عرض کی: کہ آپ ان ساتوں حروف کے اجزاء کی بھی تشریح فرما دیں اور ان حروف سے مسائل کی تفریع کے طریق کار کی بھی وضاحت کر دیں تاکہ ان سے مکمل فائدہ حاصل کیا جا سکے۔

آپ نے ارشاد فرمایا: ان ساتوں حروف میں سے ہر ایک حرف کے مزید سات اجزاء ہیں۔ یوں ان ساتوں حروف کے مجموعی طور پر 149 اجزاء ہوں گے۔

1-حرف آدمیت:

حرف آدمیت کے اجزاء درج ذیل ہیں:

(i) آدمیت کا پہلا جزو ظاہری اعتبار سے کامل حسین ہونا ہے یعنی انسان کے اعضاء اور نقوش نہایت خوبصورت ہوں۔

(ii) انسانی جسم کے ظاہری منافع مرتبہ کمال تک پہنچے ہوئے ہوں جیسے حواس خمسہ یعنی انسان کی بینائی، قوت سماعت، سونگھنے اور چکھنے کی صلاحیت مکمل طور پر درست ہو۔ اس طرح آواز، حروف کی ادائیگی سب کچھ بالکل ٹھیک ہو۔

(iii) انسان کے جسم کا باطنی حصہ یعنی دل دماغ جگر، تمام رگیں وغیرہ درست کام کرتے ہوں۔

(iv) باطنی اعتبار سے انسان کامل طور پر حسین ہو (یعنی تمام اچھی عادات وخصائل کا مالک ہو)

(v) مردانگی۔ مردانگی ہی آدمیت کا کمال ہے کیونکہ اسی صفت کی وجہ سے انسان دوسرے کو متاثر کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ اس کے برعکس نسوانیت خود دوسروں سے جلد متاثر ہو جاتی ہے اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو اپنی (بندگی) کے لیے پیدا کیا تھا اور باقی تمام اشیاء حضرت آدم کی ضروریات کی تکمیل کیلئے پیدا کی تھیں جن میں عورت بھی شامل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو اپنے لیے پیدا کیا تھا اس لیے اسے اپنے اسرار عطا فرمائے اور زمین میں اپنا خلیفہ مقرر کیا اور ہمیشہ کیلئے اولاد آدم میں سے مردوں کو اپنی خلافت کیلئے مقرر فرمایا۔

(vi) انسان کے جسم سے شیطانی حصے کو نکال دیا جائے کیونکہ اسی صورت میں حرف آدمیت کامل تصور ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ مبارک کو چاک کر کے اس میں سے ایمان وحکمت بھرا گیا تھا۔

(vii) عقل کا کامل ہونا۔ وہ اس صورت میں کہ عقل میں کوئی فتور نہ ہو اور یہ معرفت کے حصول کی بہترین صلاحیت سے بہرہ مند ہو۔

یہ حرف آدمیت کے سات اجزاء ہیں اور ان ساتوں اجزاء کا سب سے زیادہ کامل ترین مجموعہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہے۔ آپ کے علاوہ اور کسی کو بھی ان امور میں آپ سے زیادہ (بلکہ آپ کے برابر) کمال نصیب نہیں ہوا۔

2-حرفِ قبض:

(i) اس کا سب سے پہلا جز، محسوس کرنے کی وہ صلاحیت ہے جو انسان کے پورے جسم میں پھیلی ہوئی ہے اور اسی کی بدولت انسان کے جسم کا ہر ایک حصہ خیر سے اسی طرح لذت حاصل کرتا ہے جیسے انسان کی زبان شہد کی لذت کو محسوس کرتی ہے اور اسی صلاحیت کی بدولت انسان کے جسم کا ہر ایک حصہ شر سے اسی طرح بیزاری محسوس کرتا ہے جیسے انسان کی زبان ''حنظل'' (نامی کڑوے پھل) کی کڑواہٹ سے بیزاری محسوس کرتی ہے۔

(ii) انصاف کرنا۔ یہ قبض کا ایک ایسا جز ہے جس کے بغیر قبض کامل نہیں ہوتی کیونکہ ہم نورانی قبض کے بارے میں گفتگو کر رہے ہیں اور نورانی قبض میں اگر انصاف موجود نہ ہو تو پھر یہ نورانی کی بجائے ظلمانی قبض کی شکل اختیار کر جائے گی اور ایسا شخص اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا مستحق قرار پائے گا۔

(iii) متضاد چیز سے نفرت کرنا۔ ایسا شخص (خیر کی) جملہ متضاد اشیاء سے نفرت کرے گا اور کوئی ایک متضاد خامی بھی اس کے اندر اسی طرح نہیں آ سکے گی جیسے سفیدی اور سیاہی یا قیام اور نشست بیک وقت اکٹھے نہیں ہو سکتے۔

(iv) ایسا شخص حق بات کہنے میں کوئی شرم محسوس نہیں کرے گا اگرچہ وہ حق کتنا ہی تلخ کیوں نہ ہو اور اس بارے میں کسی کی ملامت کی پرواہ نہیں کرے گا۔

(v) شرعی احکام پر عمل پیرا ہونا۔ کیونکہ ہم نورانی قبض پر گفتگو کر رہے ہیں اس لئے اگر کوئی شخص شرعی احکام کی مخالفت کرتا ہو تو وہ ظلمانی قبض کا شکار ہو گا اور اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا مستحق قرار پائے گا۔

(vi) اپنے ہم جنس (نیک) لوگوں کی طرف مکمل میلان رکھنا اور اپنے اندر بھی ان لوگوں کی کیفیت کی مانند کیفیت پیدا کرنے کی کوشش کرنا جیسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اگر کسی شخص کی زبانی یہ بات سن لیتے: اللہ حق ہے' وہ ہمارا خالق و رازق ہے' وہ ایک ہے' اس کی بادشاہی میں کوئی اس کا شریک نہیں ہے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس جملے کا اثر اپنے قلب اطہر پر محسوس کرتے جس کے نتیجے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرح اور کشادگی کا احساس ہوتا اور اس کلام کا ''سر'' ایک مخصوص کیفیت کی شکل میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر طاری ہو جاتا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس اس کلام کے نور کو اپنے اندر جذب کر لیتی۔ جس طرح کسی متضاد چیز سے نفرت ضروری ہے اسی طرح کسی ہم جنس کی جانب مکمل میلان بھی ضروری ہے۔

(vii) گرفت کی مکمل قوت۔ جب انسان کسی ایک چیز کو گرفت میں لے تو اس کے ہاتھ سے چھوٹنے نہ پائے۔ ہم عام فہم مثال کے ذریعے اس کی وضاحت یوں کر سکتے ہیں جیسے ایک شخص دس چیزوں کو پکڑے اور پھر ان میں سے ایک گر جائے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس شخص کی گرفت مکمل نہیں ہے لیکن اگر اس سے کوئی ایک چیز بھی نہیں گرتی تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کی گرفت مکمل ہے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص کسی چیز کو مستقل طور پر اپنی گرفت میں نہیں رکھ سکتا تو اس کی گرفت بھی کمزور شمار ہو گی۔ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ قبض کے اجزاء میں ایک جز اپنے ہم جنس کی طرف مکمل میلان رکھنا اور دوسرا جز متضاد چیز سے نفرت کرنا ہے اگر یہ دونوں کیفیات مستقل طور پر انسان کے اندر موجود رہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کی گرفت مضبوط ہے' ان دونوں کیفیات کی مستقل بقا کیلئے گرفت کا کامل ہونا ضروری ہے۔

3- حرفِ بسط:

(i) اس کا پہلا جز کامل خوشی ہے جو درحقیقت باطن میں موجود ایک نور ہے اور جس شخص کے باطن میں یہ نور موجود ہو گا اس کے باطن میں کینہ' حسد' تکبر' بخل اور عداوت باقی نہیں رہیں گے کیونکہ یہ اور ان جیسی دیگر منفی صفات کی موجودگی میں کامل خوشی حاصل نہیں ہو سکتی۔ جب انسان کے اندر ایمان کے نور کے ہمراہ کامل خوشی کی کیفیت بھی پیدا ہو جائے تو انسان میں ساری مثبت صفات پیدا ہو جاتی ہیں کیونکہ اس خوبی کی

مثال ایک پاکیزہ زمین پر نازل ہونے والی بارش کی مانند ہے اور اس خوبی کے نتیجے میں تمام پاکیزہ اخلاق انسان کے اندر پیدا ہو جاتے ہیں۔

(ii) شر کی بجائے خیر انسان کے اندر جاگزین ہو جائے۔ یہ ایک ایسا نور ہے جس کی موجودگی میں نیکی انسان کی فطرت ثانیہ بن جاتی ہے۔ ایسا انسان ہر طرح کی نیکی اور نیک لوگوں سے محبت کرنے لگتا ہے یہاں تک کہ اس کے تمام خیالات کا مرکز بھی صرف اور صرف نیکی ہوتی ہے۔ اگر کوئی شخص اس کے ساتھ عمدہ سلوک کرے تو یہ اس کے احسان کو کبھی نہیں بھولتا۔ اس کے برعکس اگر کسی شخص نے اس کے ساتھ زیادتی کی ہو تو کچھ عرصے بعد اسے بھلا دیتا ہے اور پھر اس زیادتی کا خیال بھی اسے نہیں آتا۔ یہاں تک کہ اگر کچھ عرصے کے بعد آپ اسے پرکھنے کی کوشش کریں تو آپ کو محسوس ہوگا کہ اس کے دل میں کوئی کینہ یا بغض باقی نہیں ہے اور وہ بالکل اسی طرح خوش و خرم ہوگا جیسے اس کے ساتھ کبھی کوئی زیادتی نہیں ہوئی اور یہی کیفیت بسط کا کمال ہے۔

(iii) ظاہری حواس کا کشادہ ہو جانا: یہ ایک ایسی لذت ہے جو حواس سے متعلق رگوں کو کشادہ کر دیتی ہے جس کے نتیجے میں حواس کو حاصل ہونے والے ادراک کی کیفیت ان رگوں میں بھی محسوس ہوتی ہے اور اسی لذت کے ذریعے بسط کامل ہو جاتا ہے۔ چنانچہ دیکھنے کے حس میں ایک لذت پائی جاتی ہے جس کی بدولت انسان خوشنما چیزوں کی طرف مائل ہوتا ہے اور نتیجے میں عشق اور یکسوئی کے جذبات پیدا ہوتے ہیں۔ اسی طرح سننے کی حس میں بھی لذت پائی جاتی ہے جس کی بدولت خوبصورت آوازیں اور بہترین نغمات کانوں میں رس گھولتے ہیں اور انسان وجد میں آ کر جھومنے لگتا ہے۔ اسی طرح دیگر تمام حواس میں بھی یہی خصوصیات پائی جاتی ہیں۔ پس نتیجہ یہ نکلا کہ ہر ایک حس میں کسی بھی شے کو محسوس کرنے کی صلاحیت کے ساتھ ایک اور مزید خوبی بھی پائی جاتی ہے جس کی بدولت انسان کسی عمدہ اور بہترین شے سے لطف اندوز ہوتا ہے۔

ظاہری حواس کی کشادگی ''حرف بسط'' کا جز ہے اور ظاہری حواس کا کمال ''حرفِ آدمیت'' کا جز ہے۔ ان دونوں کے درمیان فرق یہ ہے کہ ظاہری حواس کی کشادگی کی صورت میں حواس سے متعلق رگیں کھل جاتی ہیں اور ان کے اندر کسی چیز سے لطف اندوز ہونے کی اضافی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے۔ اگر یہ اضافی صلاحیت موجود نہ ہو تو محض ادراک کے ذریعے انسان کسی چیز سے لطف اندوز نہیں ہو سکتا جیسے بہت سے لوگ دیکھنے کی حس کی مدد سے بہت سے خوبصورت مناظر دیکھتے ہیں لیکن اس کا ان پر کوئی اثر نہیں ہوتا اور بہت سے لوگ بہت خوبصورت آوازیں سننے کے باوجود ان سے متاثر نہیں ہوتے۔ اس لئے ان رگوں کی کشادگی کی بدولت بسط میں کمال حاصل ہوتا ہے۔

(iv) باطنی حواس کی کشادگی: اس میں بھی وہی کیفیت ہوگی جو سابقہ قسم میں بیان کی جا چکی ہے۔ فرق صرف یہ

ہے کہ ان کیفیات کا تعلق باطنی حواس کے ساتھ ہوگا۔

(v) بلند مرتبے کا حصول: کیونکہ انسان جس وقت حرفِ آدمیت اور حرفِ قبض کے اجزاء سے آراستہ ہو جائے اور اس کے اندر حرفِ بسط کے مذکورہ بالا چار اجزاء بھی موجود ہوں تو اسے اس بات کا احساس نصیب ہوتا ہے کہ اسے یہ تمام خصوصیات کسی خاص خوبی کے پیش نظر عطا کی گئی ہیں کیونکہ یہ ہر ایک کو نصیب نہیں ہوتی ہیں۔ اس لئے اس شخص کو یہ احساس ہوگا کہ وہ یقیناً کوئی منفرد اور نمایاں شخصیت کا مالک ہے۔ اس لئے ہر بڑے آدمی کو نہ صرف اچھے اخلاق کا مظاہرہ کرنا چاہئے بلکہ اسے اچھے کام انجام دینے کی کوشش کرنی چاہئے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

۱- وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ (بنی اسرائیل ۱۷:۷۰)

''اور بے شک ہم نے بنی آدم کو عزت بخشی۔''

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

۲- لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ (التین ۹۵:۴)

''بے شک ہم نے انسان کو بہترین (اعتدال اور توازن والی) ساخت میں پیدا فرمایا ہے۔''

لہٰذا جب انسان کو اس بات کا احساس ہوگا کہ وہ ایک بلند مرتبے کا مالک ہے تو اس کا بسط بھی کامل ہوگا۔

(vi) اچھے طریقے سے درگزر کرنا: لہٰذا ایسا شخص اپنے ساتھ ہونے والی ہر زیادتی اور ظلم سے درگزر کرے گا کیونکہ ہم نورانی بسط پر گفتگو کر رہے ہیں اس لئے اپنی قدر و منزلت کے احساس کے ساتھ دوسروں سے درگزر کرنے کا جذبہ بھی نہایت ضروری ہے کیونکہ اگر کوئی شخص اپنی قدر و منزلت کا احساس کرتے ہوئے بھی دوسروں کے ساتھ زیادتی کرے گا تو اس کا اپنی قدر و منزلت کا احساس نورانی کی بجائے ظلمانی ہوگا اور ایسا شخص اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا مستحق ہوگا۔ لہٰذا بسط کے ضروری اجزاء میں دوسروں سے درگزر کی صلاحیت بھی ایک بنیادی رکن ہے۔

(vii) تواضع: اسے بھی اسی سبب کے تحت اجزاءِ بسط میں شامل کیا گیا ہے جس سبب کی بدولت درگزر کرنے کو بسط کا حصہ بنایا گیا تھا۔ کیونکہ حرفِ بسط کا مالک بلند مرتبے کا حامل ہوتا ہے اس لئے اسے چاہیے کہ اپنے ہم جنس افراد کے ساتھ تواضع اور انکساری کا سلوک کرے کیونکہ اگر وہ خود کو نمایاں کرنے کی کوشش کرے گا تو اس کے اندر تکبر داخل ہو جائے گا جس کی وجہ سے وہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا مستحق قرار پائے گا۔

یہ بات ذہن نشین کر لیں کہ حرفِ آدمیت، حرفِ قبض اور حرفِ بسط کے تمام اجزاء نبی اور غیر نبی، کافر اور مسلمان، ہر شخص میں پائے جاتے ہیں لیکن (انبیاء کرام میں بالعموم اور بالخصوص) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس میں یہ اجزاء اپنے مرتبہ کمال کی حد تک پائے جاتے ہیں اور یہ مرتبہ کسی اور کو نصیب نہیں ہوتا۔ حرفِ آدمیت کے اجزاء میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے شیطانی حصے کے اخراج سے مراد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا

شرح صدر ہے اور عام افراد میں یہ تمام اجزاء صرف ایک خاص حد تک پائے جاتے ہیں۔ عام انسانوں میں شیطانی حصے کے اخراج سے مراد بے حیائی اور قباحت کا اخراج ہوگا تا کہ وہ شخص برے اخلاق سے محفوظ رہے۔ عام افراد کیلئے شق صدر ممکن نہیں ہے کیونکہ یہ صرف نبوت کے خصائص میں سے ایک ہے۔ اسی طرح حرفِ قبض میں بلند ترین نورانی قبض نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے متبعین کو اپنے اپنے مخصوص مرتبہ ومقام کے اعتبار سے اس نورانی قبض کا ایک محدود حصہ نصیب ہوتا ہے۔ کمال کسی کو بھی حاصل نہیں ہوسکتا کیونکہ انتہائی کمال صرف نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہے لیکن اگر کوئی شخص شریعت محمدیہ کے احکام کی پیروی نہیں کرتا' اس کا قبض ظلمانی ہوگا اور اس کی کیفیت' نورانی قبض کی تمام ترکیفیات کے برعکس ہوگی۔ یہ شخص شر سے لذت حاصل کرے گا اور خیر سے اسے تکلیف ہوگی۔ کسی بھی معاملے میں انصاف کا دامن تھامنا اس کیلئے ناممکن ہوگا کیونکہ جب یہ شخص برائی سے لذت اور نیکی سے تکلیف محسوس کرے گا تو یہ انصاف پر کس طرح کاربند رہ سکتا ہے۔ اسی طرح یہ شخص شر کی متضاد چیز ہر قسم کی بھلائی سے نفرت کرے گا اور یہی کیفیت دیگر تمام اجزاء قبض میں ہوگی اور یہ ظلمانی قبض کفار اور شیاطین کے اندر پائی جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے بے شمار معجزات کا ظہور دیکھنے کے باوجود کفار آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہیں لائے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے محفوظ رکھے۔ عام مسلمانوں میں قبض کی دونوں اقسام کے بعض اثرات پائے جاتے ہیں۔ اسی طرح بسط میں بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کمال کے انتہائی مرتبے پر فائز ہیں۔ قبض کی طرح بسط کی بھی دو قسمیں ہیں: بسط ظلمانی اور بسط نورانی۔ بسط نورانی وہ ہے جس میں تواضع اور درگزر کرنے کی خوبی موجود ہو اور اگر یہ دونوں خوبیاں مفقود ہوں تو پھر وہ بسط ظلمانی ہوگا۔

4-حرفِ نبوت:

(i) حق گوئی: حرفِ نبوت کا سب سے پہلا جز حق گوئی ہے اور یہ خصوصیت انسان کے وجود میں موجود اس نور کے نتیجے میں پیدا ہوتی ہے جو انسان کو حق گوئی پر مجبور کرتا ہے یہاں تک کہ یہ خصوصیت انسان کی فطرت ثانیہ بن جاتی ہے۔ اور وہ حق کی خاطر اپنے ذاتی دوست احباب کی مخالفت کی بھی پرواہ نہیں کرتا' اپنا وطن چھوڑ دیتا ہے' یہاں تک کہ سر کٹانے پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ مشرکین مکہ نے اپنی پوری کوشش کی' ہر طرح کے حیلے آزمائے لیکن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حق بات کے اظہار سے نہیں روک سکے۔ آخر کار وہ دشمنی میں اس حد تک آگے بڑھ گئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کرنے کا منصوبہ بھی بنالیا لیکن اس تمام تر مخالفت کے باوجود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حق پر ثابت قدم رہے کیونکہ حق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی فطرت میں داخل تھا اور یہ ناممکن ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حق کے علاوہ کوئی اور راستہ اختیار کرتے۔

(احمد بن مبارک کہتے ہیں:) اس کے بعد سیدی دباغؒ نے دو واقعات بیان کیے جن سے حق گوئی کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ سیدی دباغ فرماتے ہیں: عجم کے بعض شہروں' میں گھروں کے دروازے پر سدھائے ہوئے

پرندے رکھنے کا رواج ہے۔ جیسے ہی کوئی چور گھر میں داخل ہونے کی کوشش کرے گا تو وہ پرندہ فوراً چلائے گا: ''چور۔'' اگر اس پرندے کو ڈرانے کی کوشش کی جائے یا اس کے آگے کوئی چیز کھانے کیلئے ڈال دی جائے تو وہ پھر بھی چیخنے چلانے سے باز نہیں آئے گا اگرچہ اسے قتل ہی کیوں نہ کر دیا جائے۔ (احمد بن مبارک کہتے ہیں:) سیّدی دباغ نے اس واقعے کے ذریعے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ حق گوئی کتنی اہم ہے اور اگر انسان اس کو اپنی سرشت کا حصہ بنالے تو زندگی کے کسی بھی موڑ پر متزلزل نہیں ہوتا کیونکہ اگر ایک پرندہ اس بات کو اپنی فطرت بنا سکتا ہے تو ایک انسان اور وہ بھی بالخصوص بندہ مومن ایسا کیوں نہیں کر سکتا؟

(سیّدی دباغ نے دوسرا واقعہ یہ بیان کیا) ایک مرتبہ ایک مرید نے اپنے شیخ سے دریافت کیا: مجھے کوئی ایسی بات بتائیں جس کی بدولت میں ہر حال میں خوش رہوں۔ شیخ نے جواب دیا: اگر تم یہ خصوصیت حاصل کرنا چاہتے ہو تو اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے کسی ایک صفت کو اپنا لو۔ اگر تم نے ایسا کر لیا تو قیامت کے دن تمہارا حشر اولیاء کرام کے ہمراہ ہوگا اور تم جہنم کے عذاب سے محفوظ رہو گے۔ مرید نے عرض کی: حضرت! یہ کیسے ممکن ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے اوصاف بے شمار ہیں۔ شیخ نے فرمایا: تم کسی ایک صفت کو اختیار کر لو۔ مرید نے عرض کیا: مثلاً کون سی صفت؟ شیخ نے جواب دیا: ہمیشہ حق بات کہنا' تم ان لوگوں کی مانند ہو جاؤ جو ہمیشہ حق بات کہتے ہیں کیونکہ اگر تم نے ایسا کر لیا تو اللہ تعالیٰ تم پر خاص رحمت نازل فرمائے گا۔ مرید نے عہد کیا کہ وہ ہمیشہ حق بات کہے گا پھر وہ شیخ کی خدمت سے رخصت ہو کر اپنے گھر چلا گیا۔ اس مرید کے پڑوس میں ایک لڑکی رہتی تھی۔ ایک دن شیطان نے اسے ورغلایا اور اس نے اس لڑکی کے ساتھ زنا کر لیا۔ اگرچہ اس فعل میں لڑکی کی رضامندی شامل تھی لیکن بعد کی صورتحال کے اندیشے کے خوف سے اس لڑکی نے اپنے والد کے سامنے اس جرم کا اعتراف کر لیا۔ اس کے والد نے عدالت میں دعویٰ دائر کیا۔ قاضی نے اس مرید سے دریافت کیا: تمہیں معلوم ہے۔ تمہارے پڑوسی نے تم پر کیا الزام عائد کیا ہے؟ مرید کو اپنے شیخ کے ساتھ کیا ہوا عہد یاد تھا' اس نے اعتراف کر لیا: میرا پڑوسی ٹھیک کہہ رہا ہے۔ قاضی نے یہ سن کر کہا: اس شخص کا ذہنی توازن ٹھیک نہیں ہے کیونکہ کوئی بھی عقل مند آدمی ایسی بات کا اقرار نہیں کرتا جس کے نتیجے میں اسے سخت سزا کا سامنا کرنا پڑے اس لئے اسے پاگل خانے لے جاؤ۔ چنانچہ اس مرید کو پاگل خانے بھیج دیا گیا اور پھر کسی کی سفارش پر اسے وہاں سے بھی رہائی مل گئی۔ (احمد بن مبارک کہتے ہیں:) سیّدی دباغ کا مقصد یہ تھا کہ سچ بولنے کا انجام ہمیشہ اچھا ہوتا ہے۔

(ii) صبر: یہ ایک ایسا نور ہے جس کی بدولت اللہ تعالیٰ کے راستے میں پیش آنے والی مشکلات کا انسان کو احساس بھی نہیں ہوتا۔ حقیقی صبر وہی ہے جس میں تکلیف کا احساس بھی نہ ہو کیونکہ صبر کرنے والے شخص کی عقل اور سوچ دونوں نہایت وسیع ہوتی ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ایسے شخص کو ''فتح'' نصیب ہو چکی ہوتی ہے لہٰذا وہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کی قدرت کے کمالات کے مشاہدے میں مشغول رہتا ہے اور ان کمالات کی کوئی انتہا نہیں ہے اس لئے جب بھی جسم کو ظاہری طور پر کوئی تکلیف لاحق ہوتی ہے تو جسم اس تکلیف سے

توجہ ہٹا کر ان امور کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے جو عقل کی توجہ کا مرکز ہیں۔ چنانچہ ایک بزرگ جو اپنے وقت کے غوث تھے' انہیں چار افراد ظلماً قتل کرنے کی نیت سے ان کے گھر سے انہیں گھسیٹتے ہوئے اٹھا کر لے گئے۔ ان کے اہل خانہ چیختے چلاتے رہ گئے۔ ان ظالموں نے اس بزرگ کو شہید کر دیا لیکن وہ بزرگ اس وقت مشاہدہ حق میں مستغرق تھے اس لیے ان کی توجہ اپنے ساتھ ہونے والی زیادتی اور بیوی بچوں کی چیخ و پکار کی طرف مبذول نہ ہو سکی۔ صبر کی ایسی مثال ملنا مشکل ہے لیکن یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے ایک ولی تھے۔ ان کے صبر کا یہ عالم تھا تو خود آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کے صبر کی کیفیت کا عالم کیا ہوگا؟

اگر انسان کی ذات محجوب ہو تو عقل کا سارا نور جسم کے اندر جمع ہو جاتا ہے اور اسی میں پھنس جاتا ہے لہٰذا جب جسم کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو یہ تکلیف زیادہ محسوس ہوتی ہے۔ ایسی کیفیت میں انسان کو اگر ایک سلاخ سے داغا جائے تو اسے 100 سلاخوں کے ساتھ داغے جانے کے برابر تکلیف محسوس ہوتی ہے حالانکہ اگر آپ اسی سلاخ سے کسی ''صاحب فتح'' ولی کو داغ دیں تو ولی اس کی اذیت کو محسوس ہی نہیں کرے گا یا اگر محسوس کیا بھی تو ہلکی سی تکلیف کا احساس ہوگا۔

(iii) رحمت: یہ انسان کے وجود کے اندر موجود ایک ایسا نور ہے جس کے باعث انسان کے دل میں ساری مخلوق کیلئے مہربانی اور نرمی کا احساس بیدار ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ بندے پر جو رحمت نازل کرتا ہے اس کے نتیجے میں یہ نور انسان کے اندر پیدا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کسی بندے پر جتنی زیادہ رحمت فرمائے گا وہ بندہ دوسروں کیلئے اتنا ہی زیادہ مہربان ثابت ہوگا اور اس میں شک کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اس ساری مخلوق میں اللہ تعالیٰ کی سب سے زیادہ رحمت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی۔ یہی وجہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ساری مخلوق کیلئے سب سے بڑی رحمت ہیں۔ مخلوق کے ہر حصے' ہر گوشے' ہر جنس اور ہر نوع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت کا فیضان جاری ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی درج ذیل آیت میں چار امور کی طرف اشارہ کیا ہے:

بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ (یہ رسول اہل ایمان کیلئے نہایت (ہی) شفیق بے حد رحم فرمانے والے ہیں۔

اس آیت میں اس بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ ساری مخلوق (اور بطور خاص وہ لوگ) جنہیں اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل ہے وہ سب نور محمدی سے فیض حاصل کرتے ہیں۔ دوسری بات یہ کہ اس نور کو بارگاہِ رب العزت میں مرتبہ و مقام کے اعتبار سے سب سے زیادہ قرب حاصل ہے۔ تیسری بات یہ کہ مذکورہ بالا نور جو اللہ تعالیٰ کا سب سے زیادہ مقرب ہے وہ اپنے تمام اسرار سمیت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس میں پایا جاتا ہے اور چوتھی بات یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم اقدس کو اللہ تعالیٰ نے یہ صلاحیت اور طاقت عطا فرمائی ہے کہ وہ اس نور کو برداشت کر سکتا ہے۔ چنانچہ اس نور کو برداشت کرنے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی تکلیف یا مشقت محسوس نہیں ہوتی اور اسی خصوصیت کی بناء پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ساری مخلوق پر فضیلت حاصل ہے۔

اس آیت میں دیگر بہت سے اسرار بھی موجود ہیں لیکن انہیں ظاہر کرنا مناسب نہیں ہے۔

(iv) اللہ تعالیٰ کی ویسی معرفت، جیسی ہونی چاہئے۔

(v) (اللہ تعالیٰ کا) مکمل خوف۔ مکمل خوف سے مراد یہ ہے کہ باطن کے ساتھ ظاہر میں بھی اللہ تعالیٰ کا خوف موجود ہو۔ انسان کی عقل اور اللہ تعالیٰ کی معرفت کے نتیجے میں یہ خوف پیدا ہوتا ہے۔ باطنی خوف جسم اور جسم کے ہر حصے میں پایا جاتا ہے کیونکہ "جسم اور اس کے ہر ایک حصے کا خالق اللہ تعالیٰ ہے اور ہر مخلوق کے اندر اپنے خالق کا خوف موجود ہوتا ہے۔ یہ خوف ہر جاندار اور بے جان مخلوق کے اندر موجود ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

۳- ثُمَّ اسْتَوٰۤى اِلَى السَّمَآءِ وَهِيَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَ لِلْاَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا قَالَتَاۤ اَتَيْنَا طَآئِعِيْنَ ○ (حم السجدہ ۴۱:۱۱)

"پھر وہ سماوی کائنات کی طرف متوجہ ہوا تو وہ (سب) دھواں تھا، سو اُس نے اسے (یعنی آسمانی کروں سے) اور زمین سے فرمایا: خواہ باہم کشش و رغبت سے یا ناگزیری و ناگواری سے ہمارے نظام کے تابع آ جاؤ، دونوں نے کہا: ہم بخوشی سے حاضر ہیں۔"

ساری مخلوق کی اس اطاعت کا محرک یہی خوف تھا اور اسی خوف کی بدولت ہر مخلوق ہر وقت تسبیح میں مشغول رہتی ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

۴- وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ (بنی اسرائیل ۱۷:۴۴)

"اور (جملہ کائنات میں) کوئی بھی چیز ایسی نہیں جو اس کی حمد کے ساتھ تسبیح نہ کرتی ہو۔"

یاد رکھیں! باطنی خوف ہر وقت موجود رہتا ہے۔ البتہ ظاہری خوف کا بنیادی سبب اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رہنا ہے۔ جب تک انسان کی توجہ اللہ تعالیٰ کی طرف مبذول رہے گی یہ خوف باقی رہے گا اور جیسے ہی توجہ منتشر ہوگی، خوف ختم ہو جائے گا۔ تاہم جس شخص پر اللہ تعالیٰ کا خاص فضل و کرم ہو اس کے سامنے سے ظاہری اور باطنی خوف کے درمیان موجود حجاب ہٹ جاتا ہے جس کے نتیجے میں، باطنی خوف کی طرح، ظاہری خوف بھی مستقل طور پر نصیب ہو جاتا ہے۔ اس وقت ظاہری خوف معرفتِ الٰہیہ سے مدد حاصل کرتا ہے کیونکہ معرفت الٰہیہ کی کوئی انتہا نہیں ہے اس لئے اس خوف کی بھی کوئی انتہا نہیں ہوتی۔ گویا اس عالم میں ظاہر باطن سے صفائی اور دوام حاصل کرتا ہے اور باطن ظاہر سے اضافہ اور فیض حاصل کرتا ہے۔ اسی کیفیت کو مکمل خوف کہا جائے گا۔ باطن میں ظاہر کے ذریعے اس لئے اضافہ ہوتا ہے کیونکہ باطن کا جسم کے ہر حصے کے ساتھ برابر کا تعلق ہے لیکن ظاہری خوف کا تعلق جسم کے مختلف حصوں کے ساتھ مختلف ہوتا ہے کیونکہ ظاہری خوف کا بنیادی سبب اللہ تعالیٰ کی معرفت ہے اور معرفت کے اعتبار سے جسم کے مختلف حصوں کا حکم ایک دوسرے سے مختلف ہے۔

(vi) باطل سے بغض رکھنا: یہ کیفیت انسان کے وجود کے اندر موجود اس نور سے پیدا ہوتی ہیں جو جسم میں ہر

وقت موجود رہتا ہے اور اس کا کام ہر وقت ظلمت کی طرف متوجہ رہنا اور بوقت ضرورت ہر طرح کی ظلمت کا مقابلہ کرنا ہے جیسے دو دشمن ایک دوسرے کے خلاف برسر پیکار رہتے ہیں۔ زندگی کے ہر لمحے میں باطل سے بغض رکھنا ''حرف نبوت'' کے اجزاء میں سے ایک جز ہے۔

(vii) عفو: یہ کیفیت اس نور کے نتیجے میں پیدا ہوتی ہے جو انسان کے وجود میں ہر وقت موجود رہتا ہے اور اس نور کی فطرت یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اسے نقصان پہنچانے کی کوشش کرے تو یہ اسے فائدہ پہنچانے کی کوشش کرتا ہے' جو شخص اس سے لاتعلقی اختیار کرے یہ اس کے ساتھ تعلق مضبوط کرنے کی کوشش کرتا ہے اور جو شخص اس کے ساتھ زیادتی کرے یہ اس سے درگزر کرتا ہے۔ ایسا عفو ''حرف نبوت'' کے اجزاء میں سے ایک جز ہے لیکن اس کیفیت کو مستقل موجود ہونا چاہئے کیونکہ اس کا سبب سابقہ نور ہے جو ہر وقت انسان کے وجود میں موجود رہتا ہے لہٰذا عفو کا جذبہ بھی انسان میں ہمیشہ موجود رہنا چاہئے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہی کیفیت تھی۔

یہ بات ذہن نشین کر لیں کہ نبوت کے خصائل سب سے زیادہ کامل طور پر ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس میں موجود ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حرفِ آدمیت' حرفِ قبض اور حرفِ بسط کے تمام اجزاء سب سے زیادہ کامل شکل میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس میں موجود ہیں۔ لہٰذا جب یہ تمام اجزاء انتہائی کامل شکل میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس میں موجود ہوں گے اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مرتبہ نبوت بھی نصیب ہو تو ان تمام اجزاء کے انوار اپنی انتہائی شکل میں روشن ہو جاتے ہیں۔ لہٰذا نبوت کے خصائل کے تین مرتبے ہوں گے:

پہلے مرتبے میں' حرفِ آدمیت' حرفِ قبض اور حرفِ بسط کے تمام اجزاء شامل ہوں گے جن کی تعداد مجموعی طور پر 21 ہے۔ دوسرے مرتبے میں مذکورہ بالا 21 اجزاء کے انوار کے ہمراہ 22 واں نور' صبر کا نور ہوتا ہے اور تیسرے مرتبے میں ان 22 انوار کے ہمراہ 23 واں نور' رحمت کا نور ہوتا ہے۔ لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذاتی نور کے ہمراہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم اقدس میں موجود انوار کی مجموعی تعداد 24 ہو جائے گی۔ یہی وجہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت ساری مخلوق پر حاوی ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے پروردگار کی جو معرفت حاصل ہے اسے بیان نہیں کیا جا سکتا۔ مختصر یہ کہ جب آپ مرتبہ نبوت پر غور کریں اور مذکورہ بالا تمام تشریحات کو سامنے رکھتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت شان کا اندازہ لگانے کی کوشش کریں تو آپ بھی اسی نتیجے پر پہنچیں گے جو کسی شاعر (امام شرف الدین بوصیری نے قصیدہ بردہ شریف میں) یوں بیان کیا:

منزہٌ عن شریكٍ فی محاسنہٖ — فجوهر الحسن فيه غير منقسم

''نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس محاسن (قابل تعریف عادات' خصائل) میں کسی کی شرکت (برابری و ہم سری) سے پاک ہے کیونکہ آپ کی ذات میں جو حسن موجود ہے اسے تقسیم ہی

نہیں کیا جا سکتا (تو وہ کسی اور کو کیسے مل سکتا ہے؟)

5-حرفِ روح

(i) حرفِ روح کا پہلا جز انوار کو چکھنا (یعنی محسوس کرنا) ہے۔ یہ دراصل روح میں موجود ایک نور ہے جس کی بدولت ساری کائنات میں موجود اللہ تعالیٰ کے افعال کے انوار کو محسوس کیا جاتا ہے اور یہ انوار تقدیر کے فیصلے کے مطابق عالم علوی میں موجود ہوتے ہیں۔ روح کا چکھنا' جسم کے چکھنے سے مختلف ہے چونکہ روح کے چکھنے کا تعلق نور کے ساتھ ہوگا کیونکہ روح خود نور ہے جبکہ جسم کسی مادی چیز کو چکھنے کی صلاحیت رکھتا ہے جیسے ہم شہد کی مٹھاس کو اسی وقت محسوس کر سکتے ہیں جب شہد کا مادی وجود ہماری زبان سے مس ہوگا لیکن اگر روح شہد کی مٹھاس کو محسوس کرنا چاہے تو اس کیلئے شہد کے مادی وجود کی موجودگی ضروری نہیں ہوگی بلکہ روح کے اندر موجود عقل اس سے مٹھاس کو محسوس کرے گی۔ دوسرا فرق یہ ہے کہ جسم کے چکھنے کیلئے یہ بات ضروری ہے کہ جس چیز کو چکھا جا رہا ہے وہ زبان کے ساتھ مس ہو لیکن روح کیلئے چیز کو چھونا شرط نہیں ہے۔ تیسرا بنیادی فرق یہ ہے کہ ظاہری جسم میں صرف زبان کے ذریعے کسی چیز کا ذائقہ محسوس کیا جا سکتا ہے لیکن روح کے جملہ اجزاء اس ذائقے کو محسوس کر سکتے ہیں۔ لہٰذا جب روح کوئی چکھنے والی چیز دیکھے گی مثلاً شہد تو شہد کو دیکھتے ہی اس کی مٹھاس کو محسوس کرے گی یا روح لفظ شہد سنے گی تو یہ لفظ سننے کے ساتھ ہی اسے شہد کی مٹھاس محسوس ہو جائے گی۔ اسی طرح جب روح لفظ جنت' رضوان یا رحمت سنے گی تو ان الفاظ کے سننے کے ساتھ ہی ان کے معنی اور مفہوم سے آگاہ ہو جائے گی۔ اسی طرح جب روح قرآن مجید کی تلاوت سنے گی تو سب سے پہلے اس کی حقانیت کے نور کو محسوس کرے گی اور پھر اس میں موجود دیگر تمام انوار کو محسوس کرنے میں مشغول ہو جائے گی جن کی کیفیت بیان نہیں کی جا سکتی۔ مختصر یہ کہ روح اپنے پورے جسم' جسم کے ہر ایک جز اور تمام تر حواس کے ذریعے کسی بھی چیز کو محسوس کر سکتی ہے تاہم بعض ارواح میں محسوس کرنے کی یہ صلاحیت کمزور ہوتی ہے اور بعض ارواح میں یہ کیفیت انتہائی طاقتور ہوتی ہے اور سب سے زیادہ طاقتور روح وہ ہے جس کے محسوس کرنے کی صلاحیت عرش' فرش بلکہ ساری کائنات پر محیط ہو اور یہ خصوصیت صرف نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارکہ کو حاصل ہے کیونکہ یہ روح تمام ارواح کی سلطان ہے اور یہ روح' آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم اقدس میں پوری رضامندی' محبت اور قبولیت کے ساتھ سکونت پذیر ہو چکی ہے۔ لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم اقدس اور روح مبارکہ کے درمیان موجود تمام حجابات اٹھا لئے گئے ہیں' اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارکہ کے جملہ کمالات جسم اقدس کو بھی حاصل ہیں اور یہ ایک ایسا کمال ہے جس سے بڑا اور کوئی کمال نہیں ہو سکتا۔

(ii) طہارت: یعنی روح اسی طرح پاک وصاف ہو جیسے پیدائش کے وقت پاک تھی۔ طہارت کی دو قسمیں ہیں: پہلی قسم طہارتِ حسی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ روح ایک نور ہے اور نور نہایت پاک وصاف ہوتا ہے۔

طہارت کی دوسری قسم معنوی طہارت ہے یعنی ظاہری اور باطنی معرفت کا حصول' اس کی وجہ یہ ہے کہ ہر مخلوق اپنے خالق کو پہچانتی ہے خواہ وہ مخلوق ناطق ہو یا خاموش' متحرک ہو یا جامد ہر مخلوق کے ہر ایک جز میں اپنے خالق کی باطنی معرفت موجود ہے جیسا کہ ہم اس سے پہلے اس بات کی وضاحت کر چکے ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ جس شخص پر اپنا خاص فضل وکرم نازل کرے اس کیلئے اس کا ظاہر بھی' اس کے باطن کی مانند ہو جاتا ہے اور اس کے ظاہری جسم کے تمام اجزاء اپنے پروردگار کی معرفت حاصل کر لیتے ہیں اور یہ معرفت کا بلند ترین درجہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارواح کو یہ صلاحیت عطا کی ہے کہ وہ اپنے پروردگار سے واقف ہیں لیکن روح کی صفائی کے اعتبار سے یکساں ہونے کے باوجود ارواح کے درمیان تفاوت پایا جاتا ہے کسی روح کا حجم بڑا ہوتا ہے اور کسی روح کا حجم چھوٹا ہوتا ہے اور بلاشبہ جس روح کا حجم جتنا بڑا ہوگا اور اس کے جواہر (اجزاء) اسی قدر زیادہ ہوں گے اور اسے اسی قدر زیادہ معرفت نصیب ہوگی۔ لہٰذا تمام تر ارواح میں سب سے بڑا حجم اور سب سے زیادہ مرتبہ ومقام نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارکہ کو حاصل ہے کیونکہ یہ ساری زمینوں اور تمام آسمانوں میں موجود ہے لیکن اس کے ساتھ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم اقدس میں موجود ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم مبارک نے اس روح کے تمام تر اسرار کو اپنے اندر جذب کر رکھا ہے۔ اللہ کی وہ ذات ہر عیب سے پاک ہے جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم اطہر کو یہ صلاحیت عطا کی ہے۔

جب کوئی روح کسی جسم میں اپنی پوری رضامندی اور پسند کے ساتھ فروکش ہو جائے تو جسم اور روح کے درمیان موجود حجاب کو اٹھا دیا جاتا ہے اور جسم روح سے حسی اور معنوی صفائی حاصل کرتا ہے۔ جب جسم کو حسی صفائی نصیب ہو جائے تو اس کے نتیجے میں جسم میں موجود خون بھی صاف ہو جاتا ہے۔ خون کی صفائی چار صورتوں میں حاصل ہوتی ہے: خون ہلکا ہو جاتا ہے اور اس کا وزن کم ہو جاتا ہے کیونکہ جب خون کا وزن زیادہ ہوگا تو اس کے اندر خباثت زیادہ ہو جائے گی اور شہوانی خواہشات زیادہ پیدا ہوں گی۔ دوسری صورت یہ ہے کہ خون کی بو صاف ہو جاتی ہے اس کی علامت یہ ہے کہ خون میں سے گوندھے ہوئے آٹے کی سی مہک محسوس ہوتی ہے لیکن خبیث خون سے بدبودار کیچڑ کی بو محسوس ہوتی ہے۔ تیسری صورت خون کے رنگ کی صفائی ہے کیونکہ خبیث خون کا رنگ سیاہی مائل ہوتا ہے جبکہ صاف خون کا رنگ زردی مائل ہوتا ہے۔ چوتھی صورت خون کے ذائقے کی تبدیلی ہے کیونکہ صاف خون کا ذائقہ میٹھا محسوس ہوتا ہے جبکہ خبیث خون کا ذائقہ کسی جلی ہوئی چیز کی مانند محسوس ہوتا ہے۔

خون کے صاف ہو جانے کے بعد اس میں سے تمام تر شیطانی اثرات خارج ہو جاتے ہیں' شہوت اور گناہ کی تاریکی منقطع ہو جاتی ہے اور پھر جب یہ صاف خون جسم کی دوسری رگوں تک پہنچتا ہے تو وہ تمام رگیں بھی صاف ہو کر شیطانی اثرات اور شہوانی خواہشات سے پاک ہو جاتی ہیں۔ جب جسم کو یہ حسی صفائی حاصل ہو جائے

تو معنوی صفائی کے حصول کیلئے روح اس کی مدد کرتی ہے۔ یہاں تک کہ جسم کے ہر ایک جز کو اللہ تعالیٰ کی معرفت نصیب ہو جاتی ہے اور کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم اقدس آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارکہ پر حاوی ہے اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم اقدس کو روح مبارکہ کے تمام اسرار حاصل ہیں۔

(iii) تمیز: یہ روح میں موجود ایک خاص نور ہے جس کی مدد سے روح کسی بھی چیز کی حقیقت کو مکمل طور پر پہچان لیتی ہے اور اس پہچان کیلئے روح کو با قاعدہ طور پر کچھ سیکھنے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ محض کسی چیز کو دیکھ کر یا اس کا نام سن کر روح اس سے متعلق تمام امور سے واقف ہو جاتی ہے کہ یہ چیز کیا ہے؟ اس کے احوال کیا ہیں؟ اس کا آغاز اور انجام کیا ہے؟ یہ کہاں پائی جاتی ہے؟ اس کا مقصد تخلیق کیا ہے؟ وغیرہ' پھر تمیز کی اس صلاحیت کے اندر ارواح کی کیفیات مختلف ہیں۔ بعض ارواح میں یہ صلاحیت مضبوط اور بعض ارواح میں خاصی کمزوری ہوتی ہے البتہ یہ صلاحیت سب سے زیادہ قوی شکل میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارکہ کو حاصل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارکہ کے سامنے کائنات کا کوئی بھی گوشہ محجوب نہیں ہے۔ اسے عرش' اس کی بلندی' اس کا نچلا حصہ' دنیا' آخرت' جنت' دوزخ سب کی اطلاع حاصل ہے کیونکہ یہ سب کچھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے ہی پیدا کیا گیا ہے لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ صلاحیت تمام جہانوں پر محیط ہے۔ کس جہان کو کہاں سے' کب اور کیوں پیدا کیا گیا ہے؟ ہر آسمان کا مخصوص وجود کہاں ہے؟ کون سا فرشتہ کون سے آسمان سے تعلق رکھتا ہے؟ فرشتوں کو کب' کہاں اور کیوں پیدا کیا گیا؟ یہ اس وقت کہاں موجود ہیں؟ ان کے مراتب کے درمیان کیا اختلاف ہے؟ ان کا سب سے بلند ترین درجہ کون سا ہے؟

70 حجابات اور ہر حجاب میں موجود ہر فرشتے سے متعلق جملہ معلومات' آسمان میں موجود جملہ اجرامِ فلکی' سورج چاند' ستارے ان کے علاوہ لوح' قلم' برزخ' ارواح' ان کے بارے میں جملہ معلومات' سات زمینیں' ان میں موجود جملہ مخلوقات' خواہ وہ خشکی پر بستی ہوں یا سمندروں میں رہتی ہوں۔ ان سے متعلق جملہ معلومات' جنت کے درجات' جنتیوں کی تعداد' ان میں سے ہر ایک کا مخصوص مقام غرضیکہ کائنات کے ہر حصے سے متعلق ہر چیز کا علم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہے۔ لیکن اس قدر وسیع معلومات کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا علم مبارک اللہ تعالیٰ کے علم کے مساوی نہیں ہو سکتا کیونکہ علم الٰہی کی کوئی انتہا نہیں ہے (جبکہ کائنات سے متعلق تمام تر معلومات محدود حیثیت کی مالک ہیں) علم الٰہی کا تعلق اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی صفات کے اسرار کے ساتھ ہے جن کی کوئی انتہا نہیں ہے اور ان اسرار کی معلومات کا ساری کائنات کی معلومات سے کوئی موازنہ نہیں کیا جا سکتا۔

جب روح کو جسم سے محبت ہو جاتی ہے تو تمیز کی یہ روحانی خصوصیت جسم کو بھی حاصل ہو جاتی ہے اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارکہ کو حاصل شدہ مذکورہ بالا تمام تر معلومات' آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم

مبارک کو بھی حاصل ہوں گی۔ اللہ تعالیٰ کی وہ ذات ہر عیب سے پاک ہے جس نے اپنے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ مرتبہ و مقام عطا کیا ہے۔

(iv) بصیرت: اس سے مراد ہے سمجھنے کی صلاحیت یعنی یہ روح کے تمام اجزاء کے اندر اس طرح سرایت کر جائے جیسے تمام حواس مثلاً دیکھنے' سونگھنے' چکھنے' سننے وغیرہ کی صلاحیت روح کے ہر جز کو حاصل ہوتی ہے' روح کا ہر جز جانتا ہے' دیکھ سکتا ہے' سونگھ سکتا ہے' سن سکتا ہے وغیرہ۔ چنانچہ روح ہر سمت میں دیکھ سکتی ہے اسی طرح روح کے دیگر تمام حواس ہر سمت میں کام کر سکتے ہیں۔ جب روح اور جسم کے درمیان سے حجابات ہٹا دیئے جاتے ہیں تو ان تمام حواس میں روح جسم کی مدد کرتی ہے۔ لہٰذا جسم بھی چاروں طرف دیکھ سکتا ہے بلکہ جسم کا ہر جز ہر طرف دیکھ سکتا ہے' سن سکتا ہے' سونگھ سکتا ہے۔ روح کی ہر صلاحیت جسم کو بھی حاصل ہو جاتی ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارکہ اور جسم اقدس کے درمیان موجود حجاب کو پہلی مرتبہ اس وقت ہٹایا گیا جب بچپن میں ''شق صدر'' کا واقعہ پیش آیا۔ اسوقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم مبارک کو وہ تمام معلومات اور کمالات حاصل ہو گئے جو روح مبارکہ کو حاصل تھے اسی لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے پیچھے بھی اسی طرح دیکھ سکتے تھے جیسے اپنے سامنے دیکھ سکتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب سے مخاطب ہو کر ارشاد فرمایا تھا:

اقیموا رکوعکم و سجودکم فانی اراکم من خلفی کما اراکم من امامی

''رکوع اور سجود ٹھیک طرح سے ادا کیا کرو کیونکہ میں اپنے پیچھے موجود تمہیں اسی طرح دیکھ سکتا ہوں جیسے اپنے سامنے موجود کسی چیز کو دیکھ سکتا ہوں۔''

(v) عدم غفلت: اس کا مفہوم یہ ہے کہ روح کو جس قدر علم حاصل ہے اس سارے علم سے غفلت' سہو اور نسیان ختم ہو جائے کیونکہ ان تینوں صورتوں میں جہالت لازم آتی ہے۔ روح کو بتدریج معلومات حاصل نہیں ہوئی تھیں بلکہ ایک لمحے کے اندر اسے تمام تر معلومات نصیب ہو گئی تھیں۔ نیز روح کا علم ایسا نہیں ہے کہ اگر وہ کسی ایک چیز کی طرف متوجہ ہو تو دوسری سے غافل ہو جائے بلکہ جب روح کسی ایک چیز کی طرف توجہ کرتی ہے تو اسے دیگر بہت سی معلومات بھی حاصل ہو جاتی ہیں لیکن ان معلومات کے حصول کی طرف شعوری توجہ کی ضرورت پیش نہیں آتی۔ روح کو فطری طور پر علوم حاصل ہوتے ہیں اس لئے پیدائش کے فوراً بعد اسے جملہ معلومات حاصل ہو جاتی ہیں اور پھر یہ معلومات ہمیشہ اس کے پاس موجود رہتی ہیں۔ یہ خصوصیت ہر روح کو حاصل ہے۔ تاہم ارواح کی معلومات کی مقدار کے درمیان فرق ہوتا ہے۔ بعض ارواح کی معلومات بہت زیادہ ہوتی ہیں اور بعض ارواح کی معلومات محدود ہوتی ہیں۔ علم کی وسعت اور نظر کی قوت کے اعتبار سے سب سے بڑی روح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارکہ ہے کیونکہ یہ تمام ارواح کی پیشوا ہے۔ اسی لیے پیدائش کے فوراً بعد اسے ساری کائنات کے بارے میں جملہ معلومات فوراً

بیک وقت حاصل ہو گئی تھیں اور پھر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارکہ اور جسم اطہر کے درمیان موجود حجاب ہٹ گیا تو جسم مبارک کو بھی یہ تمام علوم حاصل ہو گئے لیکن جسم کو حاصل ہونے والی معلومات' روح کے علم سے مختلف ہیں کیونکہ روح کو یہ تمام تر معلومات بیک وقت حاصل ہو گئی تھیں لیکن جسم مبارک کو یہ تمام تر معلومات بتدریج حاصل ہوئی ہیں۔ اس لیے جسم مبارک جب کسی چیز کی طرف متوجہ ہوگا تو اسے اس چیز کے بارے میں جملہ معلومات سامنے دکھائی دیں گی۔ اگر توجہ نہ ہو تو معلومات بھی سامنے سے ہٹ جائیں گی۔ اسی طرح یکے بعد دیگرے جس چیز کی طرف توجہ مبذول ہوتی جائے گی اس سے متعلق معلومات سامنے آتی چلی جائیں گی۔ یہاں تک کہ تمام تر معلومات جسم مبارک کے سامنے آ جائیں گے۔ بیک وقت حصول کی جو صلاحیت روح کو حاصل ہے وہ جسم کو حاصل نہیں ہے۔ اسی طرح عدم غفلت کے اعتبار سے بھی جسم اور روح کے درمیان فرق پایا جاتا ہے یعنی جب توجہ کسی چیز کی طرف مبذول ہوگی تو اس وقت اس چیز کے بارے میں غفلت یعنی نسیان یا سہو لاحق نہیں ہوں گے لیکن اگر جسم کی توجہ کسی چیز کی طرف مبذول نہ ہو (بلکہ جسم مشاہدہ حق میں مستغرق ہو) تو اس وقت جس چیز کی طرف توجہ مبذول نہیں ہے اس میں سہو یا نسیان طاری ہو سکتا ہے۔ جیسا کہ صحیح بخاری میں منقول ایک روایت کے مطابق جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز کے دوران سہو لاحق ہوا اور صحابہ کرام نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی توجہ سہو کی طرف مبذول نہیں کروائی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

انما انا بشر انسی کما تنسون فاذا نسیت فذکرونی۔

''میں ایک انسان ہوں اور تمہاری طرح میں بھی بھول سکتا ہوں' اگر کبھی میں بھول جاؤں تو مجھے یاد کروا دیا کرو۔''

(احمد بن مبارک کہتے ہیں:) اللہ تعالیٰ سیدی دباغ پر اپنا خاص لطف و کرم نازل کرے۔ آپ نے شریعت اور حقیقت دونوں کے حقوق کو سامنے رکھتے ہوئے اس حدیث کی وضاحت کر دی ہے۔ ایک اور روایت یوں منقول ہے۔

انی لا انسی ولکن انسی لاسن

''میں بھولتا نہیں ہوں بلکہ مجھے بھلا دیا جاتا ہے تاکہ دوسرے رہنمائی حاصل کر سکیں۔''

(احمد بن مبارک کہتے ہیں:) علامہ ابن عبدالبر اندلسی (اپنی تصنیف) ''التمہید'' (جو موطا امام مالک کی شرح ہے) میں' حافظ ابن حجر عسقلانی (اپنی تصنیف) ''فتح الباری'' میں (جو صحیح بخاری کی شرح ہے) اور امام جلال الدین سیوطی' موطا امام مالک کے حاشیے میں تحریر کرتے ہیں اس روایت کی کوئی بھی سند مستند نہیں ہے۔ ابن حجر لکھتے ہیں کہ اس روایت کی تردید کیلئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی فرمان کافی ہے: ''میں بھی ایک انسان ہوں اور تمہاری طرح میں بھی بھول سکتا ہوں'' کیونکہ اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف اپنی طرف

بشریت ہی کو منسوب نہیں کیا بلکہ اپنے نسیان کو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے نسیان سے تشبیہہ بھی دی ہے۔(احمد بن مبارک کہتے ہیں:) ساری بحث آپ ''فتح الباری'' میں ملاحظہ کر سکتے ہیں۔

(vi) کسی چیز میں سرایت کر جانے کی قوت: اللہ تعالیٰ نے روح کو یہ قوت عطا کی ہے کہ وہ کسی بھی جسم کے اندر داخل ہو سکتی ہے۔ خواہ وہ جسم پہاڑ' پتھر' چٹان یا دیوار کی صورت میں موجود ہو اور جب روح کسی جسم کے اندر سرایت کر جاتی ہے اور اس جسم سے محبت کرنے لگتی ہے تو پھر وہ اس جسم کی مدد کرتی ہے اور وہ جسم بھی وہی کام کرنے کے قابل ہو جاتا ہے جو روح کر سکتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب سیدنا یحییٰ علیہ السلام کی قوم کے لوگوں نے انہیں گرفتار کرنا چاہا تو آپ ایک درخت کے تنے کے اندر داخل ہو گئے کیونکہ آپ کی روح نے آپ کے جسم کو بھی یہ صلاحیت دیدی تھی کہ وہ جسم' کسی بھی جسم میں داخل ہو سکے' اولیاء کرام کی وہ تمام تر کرامات جن سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ دروازے سے گزرے بغیر کسی مکان کے اندر داخل ہو گئے تو ان کرامات کی بھی یہی توجیہہ ہوگی۔ اسی طرح وہ تمام واقعات جن سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ کسی ولی نے ایک قدم مشرق میں رکھا اور دوسرا مغرب میں' اس کی بھی یہی توجیہہ ہوگی کیونکہ انسانی جسم اتنی تیزی کے ساتھ حرکت نہیں کر سکتا۔ اگر جسم اتنی تیزی سے حرکت کرے گا تو ہوا اس کو توڑ پھوڑ کر اس کے اعضاء کو ریزہ ریزہ کر دے گی اس کے جسم میں موجود خون اور رطوبتیں خشک ہو جائیں گے۔ البتہ اگر روح جسم کی مدد کرے تو جسم اتنی تیزی سے حرکت کر سکتا ہے۔ واقعہ معراج کی بھی یہی توجیہہ ہوگی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم مبارک کی مدد کی جس کے نتیجے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک لمحے کے اندر معراج کا سفر مکمل کر کے واپس تشریف لے آئے۔

(vii) حرف روح کا ساتواں جز یہ ہے کہ جن امور کے ذریعے جسم کو تکلیف ہوتی ہے روح ان کو محسوس نہیں کرتی مثلاً گرمی' سردی' بھوک' پیاس اسی طرح کسی چیز کی سختی یا گندگی بھی روح پر اثر انداز نہیں ہوتی البتہ فرشتے گندگی سے تکلیف محسوس کرتے ہیں کیونکہ فرشتے خوشبو کو پسند اور بدبو کو ناپسند کرتے ہیں۔ اگر روح میں عدم احساس کی یہ صلاحیت نہ ہوتی تو روح ایک لمحے کیلئے بھی جسم میں موجود نہیں رہ سکتی تھی۔

یہ وہ سات امور ہیں جن کا تعلق ہر روح کے ساتھ ہے اسی لیے ہم نے انہیں روح کے اجزاء قرار دیا ہے۔ تاہم اس سے پہلے ہم اس بات کی وضاحت بیان کر چکے ہیں کہ ارواح کی صلاحیت کے درمیان فرق موجود ہوتا ہے اور سب سے بلند مرتبے کی مالک روح' نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارکہ ہے اور ہم یہ بھی بیان کر چکے ہیں کہ مذکورہ بالا ساتوں صفات جس قدر کامل طور پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارکہ کو حاصل ہیں اتنی کسی اور روح کو حاصل نہیں ہیں۔ نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارکہ کے تمام اوصاف' جسم مبارک کو بھی حاصل ہیں لہٰذا جب ان ساتوں انوار کو سابقہ صفحات میں ذکر شدہ حرف آدمیت' قبض' بسط اور نبوت کے اجزاء کے انوار سے ملایا جائے گا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس میں انوار کی مجموعی تعداد 35 ہو جائے گی۔

6-حرف علم:

اس سے مراد وہ علم ہے جو پاکیزگی اور صفائی کے انتہائی درجے تک پہنچ چکا ہو اور اس میں وہ سات صفات پائی جاتی ہوں جن کا ذکر آئندہ سطور میں کیا جائے گا۔ اس سے پہلے یہ بات ذہن نشین کر لیں کہ علم عقل کا نور ہے اور عقل روح کا نور ہے اور روح جسم کا نور ہے۔ اس سے پہلے ہم اس بات کی وضاحت کر چکے ہیں کہ جب جسم اور روح کے درمیان موجود حجابات زائل ہو جائیں تو روح کے تمام تر انوار جسم کو بھی نصیب ہو جاتے ہیں اس لئے روح کی طرح جسم کو بھی نور عقل نصیب ہو جائے گا جو درحقیقت علم ہی ہے۔ آئندہ سطور میں علم کے جن سات انوار کا ذکر کیا جائے گا۔ روح ان انوار سے متصف ہوتی ہے بلکہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ روح کو اس سے بھی زیادہ انوار نصیب ہوتے ہیں۔

(i) حرف علم کا سب سے پہلا جز معلومات کو محفوظ رکھنے کی صلاحیت ہے۔ یہ صلاحیت علم میں موجود ایک نور ہے جس کی مدد سے تمام حواس کے ذریعے حاصل کی ہوئی معلومات کو محفوظ رکھا جاتا ہے۔ کسی حس میں کسی چیز کے بارے میں جو چیز محسوس ہوتی ہے اس کی مثال ایک سائے کی مانند ہے (جس کا کوئی وجود نہیں ہوتا) لیکن حس کے ذریعے حاصل ہونے والی معلومات جب اس نور تک پہنچتی ہیں تو وہ ایک شے کی شکل اختیار کر کے (محفوظ ہو جاتی ہیں) اس لئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ حس کا ادراک خیالی ہوگا اور نور کا ادراک حقیقی ہوگا۔ عام طور پر لوگ اس کے برعکس خیال کرتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کا علم محدود ہوتا ہے۔ اصل علم کے مقابلے میں انہیں صرف ایک بال کے برابر علم عطا کیا جاتا ہے' جب ان کا علم محدود ہوتا ہے تو پھر وہ حواس پر اعتماد کرنا شروع کر دیتے ہیں لیکن جسے اللہ تعالیٰ نے علم کامل عطا کیا ہو اس کے نزدیک علم کامل کے مقابلے میں حواس کی حیثیت خیال کی سی ہوگی۔ بالفرض ایک شخص' ایک گھر بناتا ہے اور اس کی تعمیر کے دوران ہر چھوٹا بڑا کام خود کرتا ہے۔ خود ہی مٹی جمع کر کے ان کی اینٹیں بنا کے انہیں پکاتا ہے' پتھر لا کے ان کا چونا بناتا ہے۔ لکڑی کاٹ کر' لا کے اس کے دروازے اور کھڑکیاں بناتا ہے۔ اس سارے کام میں وہ کسی کی کوئی مدد حاصل نہیں کرتا۔ تعمیر کے دوران ہر کام اس نے اپنی پسند کے مطابق کیا ہو اور گھر کے ایک ایک حصے اور کونے کا نقشہ اس کے ذہن میں نقش ہو اب وہ کچھ دن کیلئے کہیں چلا جاتا ہے۔ واپسی پر اس کے ہمراہ ایک اور شخص بھی ہوتا ہے۔ تب یہ دونوں حضرات اس گھر کو دیکھنے کے حوالے سے برابر کی حیثیت رکھتے ہیں لیکن گھر بنانے والے اور اجنبی کے دیکھنے میں زمین آسمان کا فرق ہے کیونکہ بنانے والا اس گھر کے ہر ایک حصے' کونے' ان میں موجود پتھر اور اینٹوں' ان پتھروں اور اینٹوں کے بنانے کی کیفیت غرضیکہ اسی طرح کی تمام جزوی معلومات سے واقف ہوگا اور اس کا علم اس گھر کے ظاہر اور باطن دونوں پر محیط ہوگا لیکن اس گھر کو دیکھنے والے دوسرے شخص کی معلومات کا دائرہ اتنا وسیع نہیں ہوگا۔

بالکل یہی کیفیت علم کامل کی ہے کیونکہ علم کامل ہر چیز کے ظاہر و باطن' ان کے اجزاء' اجزاء کی تفصیلات اور

ان تفصیلات کی تفصیلات سے بھی آگاہ ہوگا لیکن بصارت کا تعلق صرف ظاہری سطح تک ہوگا۔ بصارت کبھی بھی باطن تک نہیں پہنچ سکتی۔ ہم نے بطور مثال یہ بات بیان کی ہے اور یہ کوئی تحقیقی مثال بھی نہیں ہے کیونکہ علم کامل صرف اسی شخص کو نصیب ہوسکتا ہے جس پر اللہ تعالیٰ کا خاص فضل وکرم ہو اور علم کامل کی حقیقت تک مثالوں کے ذریعے نہیں پہنچا جاسکتا۔ (احمد بن مبارک کہتے ہیں:) میں نے دریافت کیا: اشیاء (کی معلومات) علم کامل (کے نور) میں کیسے حاصل ہوتی ہیں؟ سیّدی دباغ نے جواب دیا: اگر ہم یہ فرض کرلیں کہ علم کامل کے نور کی مثال ایک لیٹر صاف پانی کی ہے جو بالکل صاف شفاف ہے اور اس میں کسی بھی چیز کی کوئی ملاوٹ نہیں ہے پھر ہم اس میں مزید ایک لیٹر پانی ملا دیتے ہیں لیکن یہ دوسرا پانی مختلف قطرات کا مجموعہ ہے ان میں سے کوئی ایک قطرہ نمکین ہوگا تو دوسرا میٹھا ہوگا' کوئی کڑوا ہوگا اور کوئی ترش ہوگا' کوئی ٹھنڈا ہوگا اور کوئی گرم ہوگا وغیرہ۔ اب اگر یہ پانی صاف پانی میں ڈال دیا جائے تو دونوں مل کر ایک جیسے ہوجائیں گے اور ایک ہی پانی کی شکل اختیار کرجائیں گے۔ پہلے والے پانی کی مثال علم کی مانند ہے اور دوسرے پانی کی مثال معلومات کی مانند ہے کیونکہ معلومات ہمیشہ ایک دوسرے سے مختلف ہوتی ہیں۔ (احمد بن مبارک کہتے ہیں:) میں نے دریافت کیا: کیا یہ تمام قطرات مل کر ایک دوسرے میں خلط ملط ہوجاتے ہیں یا انہیں ایک دوسرے سے ممتاز کیا جاسکتا ہے؟ سیّدی دباغ نے جواب دیا: خلط ملط ہوجاتے ہیں پھر آپ نے تھوڑا سا پانی لے کر ارشاد فرمایا: ہم فرض کرلیتے ہیں کہ یہ ایک لیٹر پانی علم کا نور ہے پھر آپ نے ایک قطرہ اس میں ٹپکا کر ارشاد فرمایا: یہ قطرہ ایک قسم کی معلومات کے مترادف ہے پھر مجھ سے دریافت کیا: کیا یہ قطرہ (یعنی معلومات) اس پانی (یعنی نور علم) کا حصہ نہیں بن گیا؟ میں نے عرض کی: جی ہاں! اس کے بعد آپ یکے بعد دیگرے قطرات اس میں ٹپکاتے گئے اور اپنا یہی سوال دہراتے گئے؟ اور میں ہر بار اقرار کرتا رہا۔ آخر آپ نے فرمایا: علم کا نور آغاز میں معلومات سے خالی ہوتا ہے اور پھر اس میں بتدریج معلومات جمع ہونا شروع ہوجاتی ہیں۔ معلومات میں اضافے کے ساتھ علم کے نور میں اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے اور جس طرح معلومات کی کوئی انتہا نہیں ہے اسی طرح نور علم کی بھی کوئی انتہا نہیں ہوگی۔ گویا نور علم کی مثال معلومات کیلئے ایک غلاف کی مانند ہے۔ غلاف کے اندر موجود حجم جتنا چھوٹا ہوگا غلاف بھی اتنا ہی چھوٹا ہوگا۔ اور غلاف کے اندر موجود چیز جتنی زیادہ ہوگی غلاف بھی اتنا ہی بڑا ہوگا اور نور علم کے غلاف کی کیفیت یہ ہے کہ آغاز میں یہ اس قدر چھوٹا ہوتا ہے کہ اس میں کوئی ایک معلوم (شے) ہی سماسکتی ہے لیکن جب دوسری معلومات کا اضافہ ہوتا ہے تو یہ پھیلتا چلا جاتا ہے اور پھر اس کے پھیلاؤ کی کوئی انتہا نہیں رہتی۔

(ii) حرف علم کا دوسرا بنیادی جز یہ ہے کہ علم کو ضائع نہ کیا جائے۔ یہ خصوصیت علم کے اندر موجود ایک خاص قسم کا نور ہوتا ہے جس کا بنیادی تقاضا یہ ہے کہ علم کا نور صرف مستحق فرد تک پہنچے۔ لہٰذا یہ نور علم کو نااہل لوگوں تک پہنچنے سے روکتا ہے۔ اول تو یہ نور، علم کو کسی نااہل تک پہنچنے ہی نہیں دیتا اور اگر بالفرض غلطی سے علم کا نور کسی نااہل تک پہنچ جائے تو یہ نور اسے واپس کھینچ لیتا ہے اور نااہل کے پاس علم کے نور کو موجود نہیں رہنے دیتا۔

یہی وجہ ہے کہ جس وقت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم گفتگو فرمایا کرتے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان سے علوم کے انوار خارج ہوتے تھے۔ برے اور نیک' مومن اور منافق' ہر طرح کے لوگ اس بیان کو سنتے تھے لیکن کسی بھی برے یا منافق شخص کے پاس اس علم کا نور نہیں ٹھہرتا تھا اور نہ ہی ان کے دل پر اثر انداز ہوتا تھا اور مذکورہ بالا نور' علم کے نور کو واپس اس کی اصل یعنی ذات محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لے آتا تھا۔ جہاں تک اہل محبت اور اہل ایمان کا تعلق ہے تو کیونکہ ان کا باطن حکمت اور بھلائی کو قبول کرنے کی صلاحیت رکھتا تھا اس لئے علم کا نور ان کے اندر برقرار رہتا تھا۔ ان حضرات کی اہلیت کی طرف قرآن نے ان الفاظ میں اشارہ کیا ہے:

وَكَانُوْٓا اَحَقَّ بِهَا وَاَهْلَهَا (الفتح' ۲۶:۴۸)

''وہ اس کے زیادہ حقدار اور اہل ہیں۔''

لہٰذا علم کی دو قسمیں ہوں گی: ایک پاکیزہ جس کا نور سفید ہوگا' اور دوسرا ناپاک جس کا نور نیلا ہوگا۔ اب اگر ہم یہ فرض کریں کہ چار افراد ہیں جن میں سے ایک کا علم پاک اور مکمل ہے۔ دوسرے کا پاک تو ہے لیکن تعداد میں کم ہے۔ تیسرے کا علم ناپاک ہے اور مکمل ہے اور چوتھے کا علم ناپاک بھی ہے اور نامکمل ہے۔ فرض کریں یہ چاروں اشخاص ایک جگہ پر اکٹھے ہو جاتے ہیں تو وہاں جس شخص کا علم پاک لیکن تعداد میں کم تھا وہ پاک اور مکمل علم والے شخص سے استفادہ کرے گا۔ اس کے برعکس جس کا علم ناپاک اور کم تھا وہ اس شخص سے استفادہ کرے گا جس کا علم ناپاک اور مکمل ہے۔ ناپاک علم والا' پاک علم والے سے اور پاک علم والا' ناپاک علم والے سے استفادہ نہیں کرے گا کیونکہ دونوں کی جنس ایک دوسرے سے مختلف ہے اور علم کی بنیادی خصوصیت یہ ہے کہ وہ ضائع نہیں ہوتا اسی لئے کوئی بھی علم کسی مخالف جنس والے کے پاس نہیں ٹھہر سکتا۔

(iii) حرف علم کا تیسرا جز یہ ہے کہ حیوانات اور جمادات کی زبانوں اور آوازوں کی معرفت حاصل ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ علم کامل میں ہر چیز کے حقائق' ذاتیات' لوازم اور عوارض کا علم بھی حاصل ہو جاتا ہے اور کسی چیز کی آواز یا زبان اس شے کے عوارض کے ذریعے پیدا ہوتی ہے۔ اس لئے یہ ناممکن ہے کہ عوارض کا علم حاصل ہو جائے لیکن عوارض کے ذریعے پیدا ہونے والی کسی چیز کا علم نہ ہو پھر اشیاء کی دو قسمیں ہیں: حیوانات اور جمادات' جمادات کی بھی مخصوص آواز ہوتی ہے' جیسے پانی کے چلنے کی آواز' دروازہ کھلتے وقت کی آواز' ایک پتھر کے دوسرے پتھر سے ٹکرانے کی آواز' علم کامل کا مالک شخص ان آوازوں کو سن کر ان کے مفہوم سے واقف ہو جاتا ہے۔ اسی طرح حیوانات کی بھی دو قسمیں ہے: حیوان ناطق اور حیوان غیر ناطق' حیوان ناطق سے مراد انسان ہے جبکہ غیر ناطق کی دو قسمیں ہوں گی: پرندے اور جانور' ان میں سے ہر ایک کی اپنی مخصوص بولی ہوتی ہے اور علم کامل رکھنے والا شخص ان میں سے ہر ایک کی بولی کو بخوبی سمجھ سکتا ہے۔

(احمد بن مبارک کہتے ہیں:) اس بارے میں سیدی دباغ نے بہت سی حکایات بیان کی ہیں جن میں سے

چند ایک کا ذکر اس کتاب میں کیا جائے گا۔ سیّدی دباغ فرماتے ہیں: جمادات جیسے دیوار، گھر، جنگل، میدان، پہاڑ، درخت وغیرہ کی آواز کو صرف اللہ تعالیٰ جان سکتا ہے۔ تاہم بعض اوقات اللہ تعالیٰ کسی نبی کے معجزے یا ولی کی کرامت کی شکل میں اسی آواز کو ظاہر بھی فرما دیتا ہے۔

(iv) حرف علم کا چوتھا جزیہ ہے کہ کسی بھی چیز کے انجام سے آگاہی حاصل کی جائے۔ اس سے پہلے حرف روح کے اجزاء میں ہم نے یہ بات بیان کی تھی کہ روح کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ وہ اشیاء کی حقیقت کے درمیان فرق جان سکتی ہے اور اس نور کے نتیجے میں بعض اشیاء دیگر اشیاء سے ممتاز ہو جاتی ہیں اور جب یہ اشیاء اپنی انتہا تک پہنچ جائیں گی تو اس مقام پر روح کے اس نور کا کام ختم ہو جائے گا۔ اور حرف علم کے اس جز کے کام کا آغاز ہوگا کہ ہر چیز کے انجام سے متعلق تمام تفصیلات سامنے دکھائی دیں گی، انجام کی دو قسمیں ہیں، ایک یہ کہ وہ موجودات جن کا وجود آخرت میں باقی نہیں رہے گا اور دوسری وہ موجودات جن کا وجود آخرت میں باقی رہے گا حرف علم کے اس جز کے ذریعے یہ پتہ چل جاتا ہے کہ فنا ہونے والی چیز کا انجام کب اور کس صورت میں ہوگا؟ کس طرح یہ بتدریج اپنے انجام کی طرف بڑھتی ہوئی فنا کے گھاٹ اتر جائے گی؟ فنا کا مقام کیا ہوگا؟ اس کے اسباب کیا ہوں گے؟ وغیرہ گویا علم کامل رکھنے والا شخص کسی بھی چیز کے انجام کو بخوبی ملاحظہ کر سکتا ہے۔ اسی طرح جو موجودات آخرت میں باقی رہیں گی حرف علم کے اس جز کے ذریعے جنت یا جہنم میں اس کے مرتبہ و مقام سے بھی آگاہی حاصل کی جاسکتی ہے۔ (احمد بن مبارک کہتے ہیں:) اس کی تفصیل بہت طویل ہے ہو سکتا ہے کہ ہم اس کتاب میں کسی مقام پر اس نکتے کے بارے میں سیّدی دباغ کی زبانی کچھ واقعات موقع ومحل کی مناسبت سے نقل کر دیں۔

(v) حرف علم کا پانچواں جز یہ ہے کہ انسانوں اور جنات سے متعلق تمام تر علوم سے آگاہی حاصل کی جائے۔ ان علوم کی تعداد بے شمار ہے۔ سیّدی دباغ فرماتے ہیں: صرف انسانوں سے متعلق علوم کی تعداد 366 ہے جبکہ جنات سے متعلق علوم کی تعداد 363 ہے۔ ان میں وہ علوم بھی شامل ہیں جن کا تعلق ان کی حیات اور بقا دونوں کے ساتھ ہے۔ حیات سے مراد وہ امور جو ان کی ظاہری زندگی سے تعلق رکھتے ہیں جیسے زراعت، تجارت، دستکاری وغیرہ اس کے علاوہ جدید (سائنسی، معاشرتی، معاشی، عمرانی غرضیکہ جملہ) علوم اس میں شامل ہوں گے۔ باطنی بقا سے مراد وہ علوم ہیں جن کا تعلق شریعت اور طریقت کے ساتھ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سرخرو ہونے کا طریقہ کیا ہے؟ شریعت کے احکام اور ان میں موجود انوار و اسرار کیا ہیں؟ دنیا اور آخرت میں انسان کو ان سے کیا فوائد حاصل ہو سکتے ہیں۔ (احمد بن مبارک کہتے ہیں:) اگر میں اس بارے میں سیّدی دباغ کے تمام ملفوظات نقل کروں جن میں ان تمام امور کی تفصیلات اور جزئیات شامل ہیں تو قارئین کو بہت سی حیرت انگیز معلومات حاصل ہوں گی جنہیں سن کر ہر شخص یہ اندازہ لگا لے گا کہ یہ بات بالکل درست ہے۔ میں بھی کئی برس تک سیّدی دباغ سے ان امور پر گفتگو کرتا رہا ہوں مثلاً مختلف

سلاسل طریقت کے مشائخ کے درمیان (تربیت کے طریقے) مختلف ہونے کا بنیادی سبب کیا ہے؟ علم فقہ کے ماہرین ائمہ کرام کی فقہی آراء ایک دوسرے سے مختلف کیوں ہوتی ہیں؟ مختلف انبیاء کرام کی شریعتوں کے احکام ایک دوسرے سے مختلف کیوں ہوتے ہیں؟ ان تمام امور کی بابت میں نے سیّدی دباغ کی زبانی بے شمار اسرار سنے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم کی بدولت دنیا اور آخرت میں ہمیں سیّدی دباغ کے علوم سے نفع حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ سیّدی دباغ فرماتے ہیں: ان علوم میں ان آفات کا علم بھی شامل ہوگا جو انسان کی ظاہری یا باطنی بربادی کا باعث بنتی ہیں۔ ان آفات کی اقسام' وجہ نزول' نقصانات' ان نقصانات سے بچنے کے طریقے وغیرہ سب چیزیں ان میں شامل ہوں گی۔ اس میں علم طب میں مکمل مہارت بھی شامل ہوگی۔ خواہ اس کا تعلق انسان کی ظاہری زندگی کے ساتھ ہو یا باطنی زندگی کے ساتھ ہو۔

(vi) حرف علم کا چھٹا جز کائنات سے متعلق تمام امور سے آگاہی ہے۔ اس میں عالم علوی اور عالم سفلی دونوں شامل ہیں۔ عالم سفلی سات امور پر مشتمل ہے۔ چار عناصر یعنی آگ' ہوا' مٹی' پانی اور تین مرکبات یعنی جمادات' حیوانات اور نباتات لہٰذا علم کامل میں ان تمام امور سے آگاہی شامل ہوگی جس میں ان اشیاء کی حقیقت سے آگاہی' ان کی امتیازی خصوصیات سے واقفیت' ان کے نفع اور نقصان کا علم' غرضیکہ ان سے متعلق تمام معلومات شامل ہیں کیونکہ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک چیز بظاہر حجم میں کم ہوتی ہے لیکن اس کا اثر زیادہ ہوتا ہے اور دوسری چیز حجم میں زیادہ ہوتی ہے لیکن اس کا اثر کم ہوتا ہے۔

(vii) حرف علم کا ساتواں جز یہ ہے کہ علم کامل کے سامنے کل جہان سمٹ کر ایک جہت کی شکل اختیار کر جاتا ہے کیونکہ علم ایک نور ہے اس لئے یہ ہر ایک سمت میں موجود اشیاء کا ادراک کرتا ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ علم کامل کے مالک شخص کو یہ صلاحیت عطا کرتا ہے کہ وہ اپنے پیچھے' اوپر' نیچے' دائیں' بائیں موجود اشیاء کو اسی طرح دیکھ سکتا ہے جیسے وہ اپنے سامنے موجود اشیاء کو دیکھ سکتا ہے اس صورت میں تمام تر جہات سمٹ کر ایک جہت کی شکل اختیار کر جاتی ہیں۔ اس کے سامنے صرف آگے کی سمت باقی رہ جاتی ہے اور بقیہ تمام جہات معدوم ہو جاتی ہیں۔ یہ کیفیت صرف ''صاحب فتح'' ولی کو حاصل ہوتی ہے اور درج ذیل حدیث میں بھی اسی خصوصیت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے:

انی لاراکم من خلفی کما اراکم من امامی

''میں اپنے پیچھے تمہیں اسی طرح دیکھتا ہوں جیسے اپنے سامنے دیکھتا ہوں۔''

اس لئے صحابہ کرام اگرچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے موجود ہوتے تھے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں اسی طرح ملاحظہ کر لیتے تھے جیسے اپنے سامنے موجود اشیاء کو ملاحظہ کرتے' جو شخص ان خصوصیات کا مالک نہ ہو اس کا علم کامل نہیں ہوتا۔

۶-حرف رسالت:

(i) حرف رسالت کا سب سے پہلا جز یہ ہے کہ روح جسم میں اپنی پوری رضامندی' قبولیت اور محبت کے ہمراہ قیام پذیر ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ پاکیزہ اجسام میں کچھ مخصوص انوار موجود ہوتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی ذات پر ایمان کے نور سے فیض حاصل کرتے ہیں۔ انہی انوار کی قلت یا کثرت روح کی پسندیدگی یا ناپسند کا باعث بنتی ہے کیونکہ نور ہمیشہ نور ہی کی طرف مائل ہوتا ہے اور روح بھی ایک نور ہے۔ تاہم اللہ تعالیٰ کی ذات پر ایمان کا نور' روح کے نور سے زیادہ روشن اور چمکدار ہوتا ہے لہٰذا جب کسی روح کو کسی جسم میں یہ نور دکھائی دے جائے تو وہ اس میں قیام کرنا پسند کرتی ہے۔ بالفرض ایک جسم کے اندر ایمان باللہ کا نور ایک بالشت کے برابر ہے اور دوسرے جسم میں دو بالشت کے برابر ہے تو روح دوسرے جسم میں قیام کرنا زیادہ پسند کرے گی۔ اسی طرح ایمان کا نور' اجر کے انوار کی بدولت بڑھتا رہتا ہے۔ ہر عمل کا مخصوص اجر اور ہر اجر کا مخصوص نور ہوتا ہے اور تمام اجور کے اثرات انسان کی ذات پر منعکس ہوتے رہتے ہیں جس کی وجہ سے انسان کو دنیا میں یہ فائدہ نصیب ہوتا ہے کہ اس کے ایمان کے انوار زیادہ ہو جاتے ہیں اور آخرت میں یہ اجور' جنت کی نعمتوں کی شکل میں نیک اعمال کرنے والوں کو نصیب ہوں گے۔

سیّدی دباغ فرماتے ہیں: بالفرض اگر دو افراد کا نور ایمان برابر ہو اور پھر ان دونوں میں سے ایک سارا دن نیک اعمال کرتا رہے مگر دوسرا کوئی نیک عمل نہ کرے اور پھر رات کو دونوں ایک ساتھ سو جائیں تو جس شخص نے سارا دن نیک اعمال کیے تھے اس کے ایمان کا نور ساری رات جگمگاتا رہے گا۔ سیّدی دباغ فرماتے ہیں: سب سے زیادہ اجر رسول کو عطا کیا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کسی بھی رسول کے ایمان کے مرتبے تک پہنچنا ممکن نہیں ہے۔ اس کے بعد مرسلین میں (فضیلت کے فرق کے علاوہ) امتیوں کی قلت و کثرت کے اعتبار سے بھی مراتب میں فرق ہوتا ہے اور متبعین کی کثرت کے اعتبار سے کوئی بھی رسول ہمارے پیارے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مرتبے تک نہیں پہنچ سکتا۔ اسی لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیگر تمام مرسلین سے زیادہ اجر و ثواب عطا کیا جاتا ہے۔ لہٰذا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایمان کا نور دیگر تمام انبیاء و مرسلین کے نور سے اس قدر زیادہ ہوگا کہ دوسرا کوئی بھی اس تک پہنچنے کی صلاحیت نہیں رکھ سکتا۔ اس ساری گفتگو کا نتیجہ یہ نکلا کہ انبیاء کرام کی ارواح جس قدر رضا و رغبت کے ہمراہ ان حضرات کے اجسام میں قیام کرتی ہیں یہ کیفیت دیگر اہل ایمان کو حاصل نہیں ہے اور ارواح کے اس مخصوص قیام کی کیفیت کو ہم نے ''حرف رسالت'' کا پہلا جز قرار دیا ہے۔ آپ پر یہ بات بھی بخوبی واضح ہو گئی ہوگی کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم اقدس میں جس قدر رضا و رغبت کے ہمراہ اور جس کیفیت میں سکونت پذیر ہے' یہ کیفیت دیگر انبیاء کو حاصل نہیں ہے۔ لہٰذا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس میں ''حرف رسالت'' کا یہ جز اپنے مرتبہ کمال پر موجود ہے۔ جسم میں روح کی سکونت کی کیفیت میں فرق کا ایک اور سبب یہ بھی ہوتا ہے کہ ایمان کا نور اگر روح سے کم ہو تو پھر روح کو بے

چینی محسوس ہوتی ہے۔ اگر ایمان کا نور زیادہ ہو تو روح کو راحت محسوس ہوتی ہے۔ سیّدی دباغ فرماتے ہیں: کفار میں ایمان کا نور سرے سے موجود ہی نہیں ہوتا۔ ان کے اجسام میں ارواح صرف اس لئے قیام کرتی ہیں تا کہ اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ تقدیر کے فیصلے کو نافذ کیا جا سکے وگرنہ ارواح ان اجسام میں قیام کو سخت ناپسند کرتی ہیں۔

(ii) غیب اور شہادت کا کامل علم: یہاں غیب سے مراد وہ علم ہے جس کا تعلق اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی صفات کی معرفت کے ساتھ ہے جبکہ شہادت سے مراد وہ علم ہے جس کا تعلق مخلوق کے ساتھ ہے جس میں انسانوں، جنات کے جملہ احوال کا علم، دنیا اور آخرت سے متعلق تمام علوم شامل ہیں۔ اس بارے میں ہم پہلے بھی تفصیلی طور پر تحریر کر چکے ہیں۔ تاہم یہاں علم کامل سے مراد ان تمام علوم کی انتہائی درجے کی معرفت ہے جس کا ہر رسول میں پایا جانا ضروری ہے اور ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں یہ وصف سب سے زیادہ کمال کی صورت میں موجود ہے۔

(iii) حرف رسالت کا تیسرا جز یہ ہے کہ ہر حال میں ہر ایک کے ساتھ اقوال اور احوال میں سچائی اختیار کی جائے یعنی وہ تمام اقوال اور افعال اللہ تعالیٰ کی پسند اور رضا کے مطابق ہوں کیونکہ انبیاء اکرام تمام بنی نوع انسان کے پیشوا ہیں اور سب انسان ان حضرات کی پیروی کے پابند ہیں اس لئے ان حضرات میں یہ خصوصیت بدرجہ اتم موجود ہونی چاہئے۔ اس لئے انبیاء کرام ہمیشہ حق بات کہتے ہیں، سچ بولتے ہیں، ان کے مزاح میں بھی حقیقت کی ترجمانی موجود ہوتی ہے۔ ان کی کہی ہوئی بات وہ پوری ہو کر رہتی ہے اور اگر بظاہر پوری ہوتی دکھائی نہ دے تو ان کے قول کی صحیح تاویل کی جائے گی۔ (احمد بن مبارک کہتے ہیں:) اس کتاب میں بعض مقامات پر ہم ایسی چند باتوں کا تذکرہ کریں گے۔ مختصر یہ کہ ان حضرات کا کلام اہلِ جنت کی خواہشات کی مانند ہوگا جیسے اہل جنت، جنت میں جب بھی، کسی بھی چیز کی خواہش کریں گے تو وہ خواہش ضرور پوری ہوگی ''حرف نبوت'' کے پہلے جز (حق گوئی) اور ''حرف رسالت'' کے موجودہ جز کے درمیان بنیادی فرق یہ ہے کہ اس جز کا مالک گویا صرف تقدیر کا پیغام آگے بیان کر رہا ہے اس کا اپنا کوئی ارادہ نہیں ہے لیکن ''حق گوئی'' میں یہ خصوصیت نہیں ہوتی اس لئے ''حرف رسالت'' کے موجودہ جز کا نور ''حرف نبوت'' کے پہلے جز سے زیادہ بہتر ہوگا۔

(iv) حرف رسالت کا چوتھا جز سکون اور وقار ہے۔ اس سے مراد دل میں موجود وہ نور ہے جس کی موجودگی میں انسان ہمیشہ مطمئن رہتا ہے اور ہر حال میں صرف اللہ تعالیٰ کی ذات پر اعتماد کرتا ہے یہاں تک کہ اگر اس شخص کو تبلیغ کا حکم ہو اور پھر ساری دنیا کے لوگ اس کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں تو یہ ان کی کثرت کی کوئی پرواہ نہیں کرے گا بلکہ ان کی تمام تر اکثریت اس کی نظر میں نہ ہونے کے برابر ہوگی۔ کیونکہ وہ اس بات سے بخوبی واقف ہوگا کہ مخلوق میں ذاتی طور پر کسی بھی شخص کی مخالفت یا موافقت کرنے کی کوئی صلاحیت نہیں ہے۔ (سب کچھ اللہ تعالیٰ کی مشیت کے تابع ہے) اس کے برعکس جس شخص میں سکون کا نور موجود

نہیں ہوگا اگر اس شخص کو یہ معلوم ہو جائے کہ فلاں شخص مجھے نقصان پہنچانے کے درپے ہے اور وہ ایسا کر بھی سکتا ہے تو اب یہ اس کے خلاف مدافعت کی تدبیریں سوچنا شروع کر دے گا کہ مقابلے یا فرار میں سے کون سی صورت بہتر رہے گی اور پھر اسی کشمکش میں دشمن سر پر آ جاتا ہے اور کچھ بھی نہیں ہوتا کیونکہ اس کا دل پریشان اور خیالات منتشر ہوتے ہیں۔ سکون اور وقار کو حرف رسالت کا جز اس لئے قرار دیا گیا ہے کیونکہ مرتبہ رسالت پر فائز شخص کا یہ فرض ہے کہ جب تک لوگ کفر سے باز نہ آ جائیں اس وقت تک ان سے دشمنی کی توقع رکھے اس لیے ایسا شخص کسی کی توجہ عدم توجہ، محبت یا نفرت کی پرواہ نہیں کرتا۔ یہی وجہ ہے کہ ہر نبی کے زمانے میں، کفار نے متحد ہو کر مقابلے کی کوشش کی لیکن انبیاء کرام کی دعوت و تبلیغ کے کام میں کوئی رکاوٹ نہ آ سکی۔

سیّدی دباغ فرماتے ہیں: قرآن مجید کی جن آیات میں ''سکینہ'' کا ذکر کیا گیا ہے اس سے مراد سکون کا یہی نور ہے، جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ

''پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول اور اہل ایمان پر سکینت نازل فرمائی۔''

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ''سکون'' نازل کرنے کا مطلب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ثابت قدمی کے آثار کا مشاہدہ کروایا گیا اور دشمن کی کثیر تعداد کے مقابلے میں ڈٹے رہنے کا انجام دکھایا گیا جبکہ مومنین پر ''سکون'' نازل کرنے کا مفہوم یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلے اور برکت سے اہل ایمان بھی پرسکون رہے۔ (احمد بن مبارک کہتے ہیں:) اس کے بعد سیّدی دباغ نے قرآن پاک کی درج ذیل آیت اور دیگر احادیث کی طرف بھی اشارہ کیا جن میں ''سکینہ'' کا ذکر موجود ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اَنْ يَّاْتِيَكُمُ التَّابُوْتُ فِيْهِ سَكِيْنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ

''تمہارے پاس ایک تابوت آئے گا جس میں تمہارے پروردگار کی طرف سے سکون ہوگا۔''

اس کے بعد حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ سے منقول روایت میں موجود ''سکینہ'' کا تذکرہ ہوا۔ اس کے علاوہ ''سکینہ'' کے بارے میں چند دیگر روایات بھی منقول ہیں۔ مفسرین نے ''سکینہ'' کی تفسیر میں جو اقوال نقل کیے تھے وہ میرے علم میں تھے۔ تاہم سیّدی دباغ نے اس مقام کی ایسی تشریح کی جیسے آپ اس کا مشاہدہ کر کے بیان کر رہے ہوں۔ یہاں تک کہ مختلف نکات کے گرد گھومتی ہوئی گفتگو اس نکتے تک پہنچی کہ حضرت جبرائیل امین علیہ السلام کس طرح حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کی صورت میں بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا کرتے تھے۔ اگر قارئین کی اکتاہٹ کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں وہ تمام گفتگو یہاں نقل کرتا۔

(۷) حرف رسالت کا پانچواں جز کامل مشاہدہ ہے کیونکہ یہ عقل سے ماورا مقام ہے اس لئے اس کی تشریح بیان نہیں کی جا سکتی بالکل اسی طرح جیسے ''حرف نبوت'' کے اجزاء میں ''معرفت الٰہیہ'' کی تشریح بیان نہیں کی

جاسکتی۔

(vi) حرف رسالت کا چھٹا جز یہ ہے کہ رسول کی زندگی میں ہی اسے وہ مشاہدات نصیب ہوں جو دوسروں کو مرنے کے بعد نصیب ہوتے ہیں۔ اسے حرف رسالت کا جز اس لئے قرار دیا گیا ہے کیونکہ انبیاء کرام لوگوں کو (آخرت کے عذاب یا ثواب) سے ڈرا کر یا ترغیب دے کر، تبلیغ دین کا فریضہ سرانجام دیتے ہیں اور یہ کام وہی شخص صحیح طریقے سے سرانجام دے سکتا ہے جو امور آخرت کا مشاہدہ کر رہا ہو کیونکہ اسی مشاہدے کی بدولت وہ امور آخرت سے متعلق جزئیات بیان کر سکے گا۔ (احمد بن مبارک کہتے ہیں:) میں نے عرض کیا: انبیاء کرام پر نازل ہونے والی وحی کی موجودگی میں مشاہدے کی کیا ضرورت ہے؟ سیّدی دباغ نے جواب دیا: وحی ایک خطاب ہے اور خطاب ان لوگوں سے کیا جا سکتا ہے جو ان کے معنی و مفہوم سے آگاہ ہوں۔ لہٰذا یہ مشاہدہ انبیاء کرام کے سامنے آخرت کے حالات کو مزید واضح کر دیتا ہے اور نبی اس کی بدولت آخرت کے احوال کا معائنہ کر لیتا ہے۔ وحی کے ذریعے گویا نبی کو اس بات کی اجازت دی جاتی ہے کہ اب وہ لوگوں کی فہم اور برداشت کے مطابق ان احوال کی تبلیغ کرے۔ جو باتیں لوگوں کی برداشت سے باہر ہوں ان کا مشاہدہ بھی نبی کو نصیب ہوتا ہے لیکن ان کی تبلیغ نہیں کی جاتی۔ اگر کسی ایسے شخص کے ساتھ کوئی کلام کیا جائے جو اس کے معنی و مفہوم سے آگاہ ہی نہ ہو تو وہ دوسروں تک اس کلام کو کیسے منتقل کر سکتا ہے؟

(vii) حرف رسالت کا ساتواں جز یہ ہے کہ نبی دنیا میں جنتیوں کی مانند زندگی بسر کرے یعنی نبی کی ذات دنیا میں انہی انوار سے سیراب ہو جن انوار سے اہل جنت، جنت میں سیراب ہوں گے۔ اس کی تشریح ہم یوں کر سکتے ہیں کہ کائنات کے دو حصے ہیں: ایک عالم فنا اور دوسرا عالم بقا۔ پھر ان دونوں میں سے ہر ایک کی دو قسمیں ہیں: ایک ظلمانی اور دوسری نورانی، عالم بقا کی نورانی قسم کو جنت اور ظلمانی قسم کو جہنم کہا جائے گا۔ اگر عالم فنا اور عالم بقا کے درمیان موجود حجاب زائل ہو جائے تو عالم بقا کی ہر قسم، عالم فنا سے تعلق رکھنے والی اپنی ہم جنس قسم کی مدد کرتی ہے چنانچہ نورانی بقا، نورانی فنا کی اور ظلمانی بقا، ظلمانی فنا کی مدد کرتی ہے۔ اس حجاب کے زائل ہونے کی کیفیت مختلف ہوتی ہے اور چھٹے جز (حرف علم) میں ہم اس بات کی وضاحت کر چکے ہیں کہ یہ حجابات انبیاء کرام کے سامنے سے، اسی دنیا میں ہٹا دیئے جاتے ہیں کیونکہ ان کا وجود نورانی ہوتا ہے اور یہ عالم بقا کے نورانی حصے سے سیراب ہوتے ہیں۔ عامۃ الناس کیلئے یہ حجاب قیامت کے دن زائل ہوگا اور اسی دن ہر مومن جنت سے اور ہر کافر دوزخ سے سیراب ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم کی بدولت ہمیں دوزخ کے عذاب سے محفوظ رکھے۔ مختصر یہ کہ آخرت کے انوار سے سیرابی کا انحصار حجاب کے زوال کی کیفیت پر منحصر ہے کیونکہ انبیاء کرام کے سامنے سے یہ حجاب مکمل طور پر زائل ہو جاتا ہے اس لئے یہ حضرات دنیا میں بھی جنتیوں کی مانند زندگی بسر کرتے ہیں۔

سیدی دباغ فرماتے ہیں: آدمیت' قبض' بسط' نبوت' روح' علم' رسالت کے اجزاء کی یہی تشریح ہے۔

(احمد بن مبارک کہتے ہیں:) میں یاددہانی کیلئے ان کو دہرا دیتا ہوں۔

ظاہری صورت کی خوبصورتی کا کمال' ظاہری حواس کا کمال' باطنی اخلاق کا حسن کمال' باطنی حواس کا حسن کمال' مردانگی' شیطانی اثرات سے محفوظ رہنا اور عقل کا کامل ہونا حرف آدمیت کے اجزاء ہیں۔

خیر سے لذت اور شر سے نفرت کی حس' انصاف' متضاد سے نفرت' امتثال امر' اپنی جنس کی طرف میلان' انقباض اور حق کے بارے میں کسی بھی قسم کی شرم نہ کرنا حرف قبض کے اجزاء ہیں۔

کامل خوشی' وجود میں خیر کا قیام' ظاہری حواس کی فتح' باطنی حواس کی فتح' رفعت' حسن تجاوز اور انکساری حرف بسط کے اجزاء ہیں۔

قول حق' صبر' رحمت' معرفت الٰہیہ' خوف تام' بغض باطل اور عفو حرف نبوت کے اجزاء ہیں۔

ذوق انوار' طہارت' تمیز' بصیرت' عدم غفلت' قوت سریان اور مادی اشیاء سے متاثر نہ ہونا حرف روح کے اجزاء ہیں۔علوم کا بار اٹھانا' انہیں ضائع ہونے سے محفوظ رکھنا' تمام زبانوں اور آوازوں سے واقف ہونا' انجام سے واقف ہونا' کائنات سے متعلقہ علوم سے آگاہ ہونا' دنیا و آخرت کے جملہ علوم سے آگاہی اور تمام جہات کا ایک ہی جہت میں سمٹ آنا حرف علم کے اجزاء ہیں۔روح کا پوری رضامندی اور محبت کے ہمراہ جسم میں قیام' علم کامل' صدق' سکون و وقار' کامل مشاہدہ' زندگی ہی میں مرحومین کی مانند ہونا اور اہل جنت کی مانند زندگی بسر کرنا حرف رسالت کے اجزاء ہیں۔

سیدی عبدالعزیز دباغ فرماتے ہیں: صحابہ کرام اور تابعین سے منقول بعض الفاظ میں قرأت کا اختلاف انہی اصول پر منطبق ہوگا۔ہم پہلے واضح کر چکے ہیں کہ حروف کی کل اقسام 49 ہیں اور عربی زبان میں 29 حروف تہجی ہیں۔ان تمام حروف میں مذکورہ 7 حروف کے اجزاء میں سے کوئی نہ کوئی جزء موجود ہوگا۔

حروف تہجی میں سات حروف کے اجزاء

''ا'' امتثال کیلئے ہے جو ''قبض'' کا جز ہے۔

''ب'' سکون کے لیے ہے' جو ''رسالت'' کا جز ہے۔

''ت'' ظاہری حواس کے کمال کیلئے ہیں' جو ''آدمیت'' کا جز ہے۔

''ث'' انصاف کے لئے ہے' یہ ''قبض'' کا جز ہے۔

''ج'' صبر کیلئے ہے' یہ ''نبوت'' کا جز ہے۔

''ح'' کامل رحمت کیلئے ہے' یہ بھی نبوت کا جز ہے۔

''خ'' ذوق انوار کے لئے ہے' یہ ''روح'' کا جز ہے۔

''د'' طہارت کیلئے ہے' یہ ''روح'' کا جز ہے۔

''ذ'' زبانوں کی معرفت کیلئے ہے' یہ ''علم'' کا جز ہے۔

''ر'' حسن تجاوز کیلئے ہے' یہ ''بسط'' کا جز ہے۔

''ز'' ہر ایک کے ساتھ صدق کیلئے ہے' یہ ''رسالت'' کا جز ہے۔

''ط'' تمیز کیلئے ہے' یہ ''روح'' کا جز ہے۔

''ظ'' شیطانی حصے سے محفوظ رہنے کیلئے ہے' یہ آدمیت کا جز ہے۔

''ک'' معرفت الہیہ کیلئے ہے' یہ ''نبوت'' کا جز ہے۔

''ل'' علم کامل کیلئے ہے' یہ ''رسالت'' کا جز ہے۔

''م'' مردانگی کیلئے ہے' یہ ''آدمیت'' کا جز ہے۔

''ن'' کامل خوشی کیلئے ہے' یہ ''بسط'' کا جز ہے۔

''ص'' کامل عقل کیلئے ہے' یہ ''آدمیت'' کا جز ہے۔

''ض'' قول حق کیلئے ہے' یہ ''نبوت'' کا جز ہے۔

''ع'' عفو کیلئے ہے' یہ ''نبوت'' کا جز ہے۔

''غ'' ظاہری صورت کے کمال کیلئے ہے' یہ ''آدمیت'' کا جز ہے۔

''ف'' حمل علوم کیلئے ہے' یہ ''علم'' کا جز ہے۔

''ق'' بصیرت کیلئے ہے' یہ ''روح'' کا جز ہے۔

''س'' عاجزی کیلئے ہے' یہ ''بسط'' کا جز ہے۔

''ش'' گرفت کے کمال کیلئے ہے اور یہ ''قبض'' کا جز ہے۔

''ہ'' ضد سے نفرت کیلئے ہے' یہ بھی ''قبض'' کا جز ہے۔

''و'' زندگی میں مرحوم کی مانند ہو جانے کیلئے ہے' یہ ''رسالت'' کا جز ہے۔

''لا'' عدم غفلت کیلئے ہے' یہ ''روح'' کا جز ہے۔

''ی'' آخری حرف ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی ذات سے مکمل خوف کیلئے ہے جو ''نبوت'' کا جز ہے۔ گویا 5 حروف (ت' ض' م' ص' غ) کا تعلق ''آدمیت'' کے ساتھ ہے۔ 4 حروف (ا' ث' ش' ہ) کا تعلق ''قبض'' کے ساتھ ہے۔ 3 حروف (ر' ن' س) کا ''بسط'' کے ساتھ ہے۔ 6 حروف (ج' ح' ک' ض' ع' ی) کا تعلق ''نبوت'' کے ساتھ ہے۔ 5 حروف (د' خ' ط' ق' لام الف) کا تعلق ''روح'' کے ساتھ ہے' 2 (ذ' ف) حروف کا تعلق ''علم'' کے ساتھ ہے' 4 حروف (ب' ز' ل' و) کا تعلق ''رسالت'' کے ساتھ ہے۔ یہ 29 حروف تہجی ''حروف سبعہ'' کے 49 میں سے 29 اجزاء کے بالمقابل آ گئے۔ اب باقی 20 اجزاء رہ گئے جن میں سے دو حرف ''آدمیت''' تین حروف قبض' چار حروف بسط' ایک حرف نبوت' دو حرف روح' پانچ حرف علم اور تین حرف رسالت

کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں۔ ان 20 حروف میں سے 18 حروف ''مدولین'' (اَ وْ ی) میں اس طرح تقسیم ہوں گے کہ تینوں میں سے ہر ایک حرف کے حصے میں چھ حروف آئیں گے یعنی ''ا'' کے 6 ''و'' کے 6 اور ''ی'' کے 6۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ''حروف مدولین'' کو 6 گنا تک لمبا کر دیا کرتے تھے۔ (احمد بن مبارک کہتے ہیں:) علم قرأت کے امام ابن جزری نے اپنی کتاب ''النشر'' میں ''مد'' کے احکام پر بحث کرتے ہوئے اس کے ''6'' مراتب بیان کیے ہیں جن کی تلخیص یہ ہے:

۱- ''مد'' کو ایک الف کے برابر کھینچا جائے۔ یہ ابن کثیر اور ابو جعفر کی قرأت ہے۔

2- ''مد'' کو 2 یا ڈیڑھ الف کے برابر کھینچا جائے۔ یہ دوری اور قالون کی قرأت ہے۔

3- 3 الف کے برابر کھینچا جائے۔ بعض نے اڑھائی بھی کہا ہے۔ یہ کسائی کی قرأت ہے۔

4- 4 الف یا ساڑھے تین الف کے برابر کھینچا جائے۔ یہ عاصم اور ابن عامر کی قرأت ہے۔

5- 5 یا ساڑھے چار الف کے برابر کھینچا جائے یہ حمزہ اور ورش کی قرأت ہے۔

6- تقریباً 6 الف کے برابر کھینچا جائے۔

اس کے بعد ابن الجزری نے ''مد'' کے دو اور مراتب بھی بیان کیے ہیں۔ پہلا مرتبہ مذکورہ بالا مراتب میں سے سب سے پہلے مرتبے یعنی ایک الف کے برابر سے بھی کچھ کم ہے جسے اصطلاح میں ''بتر'' کہا جاتا ہے اور یہاں ''حرف مد'' کو حذف کر دیا جاتا ہے لیکن علم قرأت کے بعض ماہرین نے اسے غلط قرار دیا ہے۔ دوسرا مرتبہ یہ ہے کہ سابقہ ذکر شدہ مراتب میں پانچویں اور چھٹے مرتبے کے درمیان ایک مرتبہ ہے لیکن اسے بھی درست قرار نہیں دیا جاتا اور مذکورہ بالا 6 مراتب ہی مستند ہیں جن کی طرف سیّدی دباغ نے اشارہ کر دیا ہے۔ اس بارے میں اور بھی بہت سی جزوی مباحث موجود ہیں جنہیں ہم سر دست نظر انداز کرتے ہیں۔ اس لیے ہم اپنے اصل موضوع کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ ''الف ممدودہ'' کیلئے مخصوص ''حروف سبعہ'' کے 6 اجزاء یہ ہیں: باطنی صورت کا کمال' روح کا پوری رضامندی کے ساتھ جسم میں داخل ہونا' احساس کا جسم کے ہر رگ و پے میں سرایت کر جانا' باطنی حواس کا کمال' بغض باطل' ذات میں بھلائی کا رچ بس جانا۔

''الف ممدودہ'' کی دو قسمیں ہیں: کبھی ''مد'' کا تعلق ضمیر متکلم کے ساتھ ہوتا ہے جیسے ''اِنَّـا اٰمَنَّـا'' کیونکہ یہاں ''مد'' کے ذریعے متکلم کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ کبھی اس کا تعلق کسی دوسرے لفظ کے ساتھ ہوتا ہے جیسے ''مِنَ السَّمَآءِ مَآءً'' اس میں متکلم کے ساتھ کوئی نسبت نہیں ہے۔ جب ''مد'' کے ذریعے متکلم کی طرف اشارہ کیا گیا ہو تو یہ ''مد'' کا سب سے پہلا مرتبہ ہوگا یعنی یہاں پر ایک الف کے برابر ''مد'' کو کھینچا جائے گا۔ اور یہ ''باطنی حس کے کمال'' پر دلالت کریگی۔

دوسرے مرتبے میں جب ''مد'' کو دو الف کے برابر کھینچا جائے گا تو یہ روح کے جسم میں برضا و رغبت قیام پر دلالت کرے گی۔

تیسرے مرتبے میں یہ ''حاسہ ساریہ'' پر دلالت کرے گی۔

چوتھے مرتبے میں یہ ''کمال حواس باطنی'' پر دلالت کرے گی۔

پانچویں مرتبے میں بغض باطل پر دلالت کرے گی اور چھٹے مرتبے میں یہ ''جسم میں بھلائی کے رچ بس جانے'' پر دلالت کرے گی۔

یہ اصول یاد رکھیں کہ مذکورہ بالا ہر مرتبے میں سابقہ مرتبے کی خصوصیت بھی شامل ہوتی چلی جائے گی یعنی پہلے مرتبے میں ایک جز موجود ہوگا۔ دوسرے مرتبے میں 2' تیسرے میں 3' چوتھے میں 4 اور پانچویں میں 5 اور چھٹے مرتبے میں 6 اجزاء موجود ہوں گے۔

لیکن اگر یہ ''الف ممدودہ'' متکلم کے علاوہ کسی اور لفظ کیلئے استعمال کیا گیا ہوگا تو اس وقت ''مد'' کا پہلا مرتبہ باطنی صورت کے کمال' دوسرا مرتبہ بغض باطل' تیسرا ذات میں بھلائی کا رچ بس جانا' چوتھا قوت ساریہ' پانچواں باطنی حس کا کمال اور چھٹا روح کا پوری رضامندی کے ساتھ جسم میں قیام کے ساتھ مخصوص ہوگا اور یہاں بھی ہر مرتبے میں سابقہ مرتبے کی خصوصیت جمع کی جائے گی۔

مذکورہ بالا 2 مراتب میں سے پہلے مرتبے کو حسن باطن کے کمال سے اس لیے شروع کیا گیا کیونکہ جب الف کو ضمیر متکلم کا جز قرار دیا جائے گا تو یہ کمال حسن باطن کی طرف اشارہ ہوگا کیونکہ ''آدمیت'' کمال کا بچھونا ہے جس کے ذریعے کمال کی تربیت ہوتی ہے لیکن جب ''الف ممدودہ'' کے ذریعے متکلم کے علاوہ کسی اور کی طرف اشارہ کیا جائے گا تو متکلم کے علاوہ کوئی اور ذات مراد ہوگی۔ اب اصول یہ ہے کہ باطنی صورت کا کمال ہی انسان کی باطنی خصوصیات کو سنوارتا ہے جیسے ایک آواز اسی وقت خوبصورت ہوگی جب باطنی خوبی اپنے مرتبہ کمال پر موجود ہوگی۔ یہاں باطنی حس کے کمال کو ذکر نہیں کیا گیا کیونکہ اس کا تعلق صرف نفس کے اجزاء کی خوبصورتی کے ساتھ ہے۔

(''حروف مدہ'' میں سے) ''وٗ'' کیلئے یہ 6 اجزا مخصوص ہیں: عدم حیا' میل الی الجنس' فتح حواس ظاہرہ' فتح حواس باطنہ' مادی اشیاء کا عدم تاثر' قوت سریان۔

اگر ''واؤ ممدودہ'' کا تعلق ذات کے علاوہ کسی اور چیز کے ساتھ ہو جیسے "لیسوٗا وجوھکم لی" تو ایک ''وٗ'' کے برابر ''مد'' میں عدم حیا ہوگی۔

دو ''وٗ'' کے برابر مد میں عدم حیا کے ہمراہ اپنی جنس کی طرف میلان ہوگا۔

تین ''وٗ'' کے برابر مد میں مذکورہ بالا دونوں اجزاء کے ہمراہ ظاہری حواس کی فتح ہوگی۔

چار ''وٗ'' کے برابر مد میں مذکورہ بالا تین اجزاء کے ہمراہ باطنی حواس کی فتح ہوگی۔

پانچ ''وٗ'' کے برابر مد میں مذکورہ بالا چار اشیاء کے ہمراہ المناک چیزوں کا عدم احساس ہوگا۔

چھ ''وٗ'' کے برابر مد میں مذکورہ بالا پانچ چیزوں کے ہمراہ قوت سرایت ہوگی۔

لیکن اگراس کاتعلق متکلم کی ذات کے ساتھ ہوتو پہلی صورت میں باطنی حواس کی فتح' دوسری میں اس کے ہمراہ ظاہری حواس کی فتح' تیسری میں ان دونوں کے ہمراہ اپنی جنس کی طرف میلان' چوتھی میں ان تینوں کے ہمراہ المناک اشیاء کا عدم احساس' پانچویں میں ان چاروں کے ہمراہ عدم حیاء' چھٹی میں ان پانچوں کے ہمراہ قوت سرایت ہوگی۔

''ی'' کے اجزاء 6 ہیں ضائع نہ کرنا' سامنے کی جہت میں موجود ہونا' انجام کی معرفت' انسان اور جنات سے متعلق علوم سے آگاہی' دنیاوآخرت سے متعلق علوم سے آگاہی' اہل جنت کی سی زندگی بسر کرنا۔

اگر''ی'' کی نسبت ضمیر متکلم کی طرف ہوگی تو پہلی صورت میں احوال کونین کی معرفت' دوسری میں اس کے ہمراہ ضائع نہ کرنا' تیسری میں ان دونوں کے ہمراہ انجام کے معرفت' چوتھی میں ان تینوں کے ہمراہ انحصار جہات' پانچویں میں' ان چاروں کے ہمراہ جن وانس سے متعلق معلومات سے آگاہی اور چھٹی میں ان پانچوں کے ہمراہ اہل جنت کی مانند زندگی بسر کرنا ہوگا۔

اگر''ی'' کی نسبت متکلم کی بجائے کسی اور چیز کی طرف ہوتو پہلی صورت میں انحصار جہات' دوسری میں ثقلین سے متعلق علوم سے آگاہی' تیسری میں اہل جنت کی مانند زندگی بسر کرنا' چوتھی میں انجام کی معرفت' پانچویں میں ضائع نہ کرنا' چھٹی میں دنیا اور آخرت سے متعلق علوم سے آگاہی شامل ہوگی۔ تاہم ہر قسم میں سابقہ قسم کا جز بلکہ اجزاء بھی شامل ہوں گے۔

18 اجزاء اوران کے مراتب کی یہی تشریح ہے۔ بقیہ دو جز مشاہدہ حق اور کمال رفعت ہیں اور قرآن کے رسم الخط کا تعلق انہی دونوں کے انوار کے ساتھ ہے اور قرآن میں جس مقام پر''ا'ؤ'ی'' لکھے جائیں مگر پڑھے نہ جائیں تو ان مقامات میں ان حروف کے رسم الخط کا تعلق انہی دونوں اجزاء کے ساتھ ہوگا۔ اگر حرف کا مدلول بظاہر دکھائی دے تو اس کا تعلق مشاہدے کے ساتھ ہوگا اور اگر دکھائی نہ دے تو اس کا تعلق مقام رفعت کے ساتھ ہوگا۔

☆☆☆

قرآنی رسم الخط کی بحث

(احمد بن مبارک کہتے ہیں:) میں نے دریافت کیا: یہ رسم الخط نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم دیا تھا یا صحابہ کرام نے خود اسے اختیار کیا؟ سیدی دباغ نے جواب دیا: یہ طریقہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے تحت اختیار کیا گیا تھا۔ صحابہ کرام نے اپنی طرف سے اس میں کوئی کمی بیشی نہیں کی۔ میں نے عرض کی: بعض اہل علم اس بات کے قائل ہیں کہ یہ رسم الخط صحابہ کرام نے خود اختیار کیا اس لیے اسے ضروری قرار نہیں دیا جا سکتا کیونکہ صحابہ کرام زمانہ جاہلیت میں قریش میں رائج رسم الخط کے تحت لکھا کرتے تھے۔ اس لیے علم قرأت کے ماہرین''ربا'' کو''ربوا'' لکھتے ہیں کیونکہ قریش ایسے ہی لکھا کرتے تھے۔ قریش نے''حیرۃ'' کے رہنے والوں سے لکھنے کا فن